An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:97 ماہ جنوری 2021ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW
(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

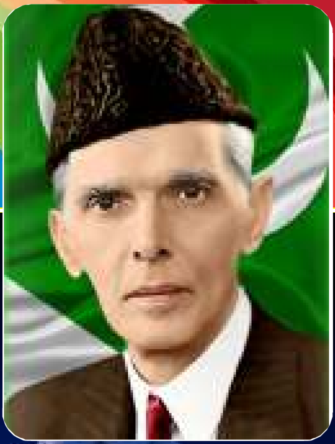

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا:
''آخر یہ کہنے کا کیا فائدہ ہے کہ ہم
سندھی، پٹھان یا پنجابی ہیں''
نہیں ہم سب مسلمان ہیں۔
اسلام نے ہمیں یہ ہی سکھایا ہے۔
''علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور
ہے اس لئے علم کو اپنے ملک میں
بڑھائیں کوئی آپ کو شکست نہیں
دے سکتا۔''

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیرالاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین
लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

Earlsfield
Properties
Professional Residential
Property Management
Services
We will manage your
property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.
Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.
Get it Right
✔ Member National Landlord Association
✔ Member Deposit Portection Schemes
✔ Member The Property Ombudsman Scheme
✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.
1
PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)
175 Merton Road, London SW18 5EF
Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

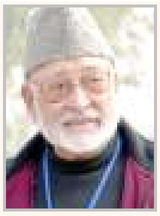

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

راناعبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ '' کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

E-mail: ranarazzaq52@gmail.com

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

فہرست مضامین

عنوان	مصنف	صفحہ
قندیل ادب کے نوویں سال کا آغاز	اداریہ	4
لیڈر کمینہ اور ریاست مدینہ	ادارہ	5
غزلیات: طاہر بٹ۔ امریکہ، مبارک صدیقی لندن، اعتبار ساجد، شمشاد شاد، شکیل قمر، عباس ثاقب، گلشن بیابانی، ڈاکٹر مقصود جعفری، عاصی صحرائی، سرفراز بزمی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، ڈاکشر ظفر جاذب، ساجدہ انور دل دریا پاکستان، افتخار راغب دوحہ قطر، احمد علی برقی اعظمی، عباس ثاقب، عبدالحمید حمیدی کینیڈا، لبنیٰ آرائیں، امجد غزالی، ساجد محمود رانا، شیوشرن بندو فتحپور، بھارت، منیر باجوہ، جوش ملیح آبادی، نسیم عباسی، احمد فہیم میو، طفیل عامر، ڈاکٹر محمد عامر خان، فرزانہ فرحت، عارف پرویز نقیب، امجد مرزا امجد، ساحل، عاصم جاسر، یوسف ندیم۔		9 تا 17
مرد کی انا	امجد مرزا امجد	18
مٹی داباوا	مبشرہ ناز	19
شاہ فیصل آف سعودیہ کا قتل		20
قندیل شعروسخن لندن کے زیر انتظام آن لائن مشاعرہ	راناعبدالرزاق خان	21
آج کی بات	عرفان احمد خان فرینکفرٹ	23
جاپانیوں کی فطرت پسندی مثالی ہے	طارق محمود مرزا، آسٹریلیا	24
شہزادی زیب النساء	عاصی صحرائی	25
مُبارک ہو قوم کو	اجمل ملک، ایڈیٹر نوشتہ دیوار	26
سیکھیے	حامد حسن	27
اچھی مائیں اب کیوں نہیں؟	علیان قادری ترابی	28
انجام	رجب خوشاب	29
افشین شہریار۔ صلاحیتوں کو اُجاگر کرو۔ رومن سے انکار نستعلیق سے پیار۔ زبان اور بولی میں فرق بےقصور	ادارہ	30
بانو قدسیہ کا یومِ پیدائش	ثقلین مبارک	31
علی سردار جعفری	ادارہ	31
عطاء الرحمٰن چوہان	ادارہ	34
تعارف شاعر حکیم ناصر۔ تعارف استاد دامن	ایوب خاور	35
گلستانِ مصطفٰی۔ تبصرہ نگار۔	ڈاکٹر مقصود جعفری	36
غزل	اعظیم نوید	36
اقوال جدید	آفتاب شاہ	37
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	38
غلط العام اسمائے کیفیت	خواجہ محمد عارف	39

***

قندیل ادب کے نوویں سال کا آغاز

قارئین کو نئے سال کی مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو صحت و سلامتی والی درازی عمر عطا فرمائے۔ نیز دنیا میں امن قائم رہے۔ آمین

محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نویں سال کا پہلا رسالہ ہے۔ جو آپ کی دعاؤں اور تعاون کے طفیل شائع ہو رہا ہے۔ نا معلوم کس گلی میں زندگی کی کب شام ہو جائے۔ ادب کی خدمت کا شوق مجھے سستی کرنے نہیں دیتا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ قندیل جب بجھتی ہے تو اسے دوبارہ جلانے والا مشکل سے ہی ملتا ہے۔ ہم اپنے حصے کی قندیل جلاتے رہیں گے۔ مستقبل کا خدا ہی حافظ ہے۔ لندن میں بہت سے ادبی رسائل نکلے مگر ان کی رحلت کے ساتھ ہی بند ہو گئے۔ دنیا اسی کا نام ہے۔ دیا جلانے والے کم کم ہی ہوتے ہیں۔ ہمیں اس قندیل کی روشنی سے آئندہ آنے والی نسلوں کی آبیاری کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے آم لگائے اور ہم نے کھائے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا مگر رنگ بھی ساتھ ساتھ بدلتا جائے گا۔ رسم و رواج بدلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اردو کے الفاظ کا ذخیرہ بھی بڑھتا اور بدلتا رہے گا۔ ہم تو اپنے حصے کی قندیل جلا رہے ہیں۔ ہر انسان کو انسانیت کی بہتری کے لئے کوئی نہ کوئی بہتر کام کر کے جانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ آپکا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

مودبانہ گزارش

قارئین سے گزارش ہے کہ دسمبر ۲۰۱۹ء سے تمام قارئین کا ماہانہ چندہ ختم ہو گیا ہے۔ فی کاپی دو پونڈ اور بذریعہ ڈاک اگر ارسال کیا جائے تو تین پونڈ بن جاتے ہیں۔ براہ کرم اس کی ادائیگی ضرور کریں۔ اس کی تیاری کمپوزنگ، ڈیزائننگ، پرنٹنگ پر کافی اخراجات ہوتے ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل اکاوٴنٹ میں رقم ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ جزاکم اللہ (ادارہ)

HSBC London UK

A/C 04726979 Sort Code 400500

رانا عبدالرزاق خان لندن

(M) 0044-7886-304637, 02089449385

جمشید مسرور اوسلو ناروے

بازار گل فروشاں مہینوں سے بند ہے
گم گشتہ ساعتوں کو اٹھا کر کہاں سے لائیں
جو مر چکے وہ زندگی جاکر کہاں سے لائیں
لگتا ہے یوں کہ روٹھ گئے ایک دم سبھی
روٹھے ہوئے دنوں کو منا کر کہاں سے لائیں
بازار گلفر و شاں مہینوں سے بند ہے
وہ گیسوؤں میں پھول سجا کر کہاں سے لائیں
انبار بوئے گل کو ٹھکانا تو یاد ہے
بس اسکو اپنے گھر میں بچا کر کہاں سے لائیں
اس کے لئے کچھ اپنی بصیرت بھی چاہیئے
ہم خواب دوسروں کو دکھا کر کہاں لائیں
نا کا ہر ایک موڑ پہ بخیہ گروں کا ہے
ہم چاک دامنی کو چھپا کر کہاں سے لائیں
اب رہن دشمناں ہیں اشارے بھی لمس بھی
چپکے سے اس کو ہاتھ دبا کر کہاں لائیں
جمشیدؔ دلبروں میں گریز اور بڑھ گیا
ہم اب طلب دلوں میں جگا کر کہاں سے لائیں

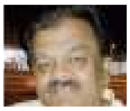

خالد عرفان

''زوم'' پر غزلیں سنانے کا ہوا یہ فائدہ
ہر بزرگ استاد کا آنا بچا، جانا بچا
ایک کمرے میں ہے انٹرنیشنل بزم سخن
خرچ ہوٹل کا، ائیرلائن کا ہر جانہ بچا
وہ تواضع کا تکلف، میزبانی کا شرف
ناشتے کی حلوہ پوری، رات کا کھانا بچا
آن لائن شاعروں کی خیریت دریافت کی
چائے، کافی، کوک، لسّی، جام و پیمانہ بچا
جتنے آئے داد کی نقدی پہ ٹرخائے گئے
دوسرے دن جو دیا جاتا تھا، ظہرانہ بچا
اک ''المنائی'' کی بیوی کہہ رہی تھی رات کو
شکر ہے اس سال مے نوشوں سے کاشانہ بچا
''آن لائن'' عالمی بزمِ سخن سجنے کے بعد
منتظم خوش ہے چلو، شاعر کا نذرانہ بچا

لیڈرکمینہ اور ریاست مدینہ

لاک ڈاؤن کے حمایتی یہ تحریر ضرور پڑھیں۔درج ذیل تحریر تلخ ضرور ہے مگرسچ کے قریب ہے۔کراچی کی ایک خاتون کی تحریر ہے جو ملک میں لاکھوں افراد کے دل کی آواز ہے۔شکریہ ریاست مدینہ کے داعی سے ایک پرائیویٹ اسکول ٹیچر کی اپیل۔

جناب وزیراعظم پاکستان مسندِ اقتدار پر بیٹھے آپ کیا جانیں،تین ماہ لاک ڈاؤن کی اذیت کیا ہے،لیکن اگرفرصت ملے توقوم کی بیٹی کی اس فریاد اور داستانِ کرب کوبھی پڑھ لیں،اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات ہم دوبہنیں ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی ہیں.دونوں بہنوں کی ماہانہ تنخواہ ملاکر 30 ہزارتھی.جس سے دس ہزار گھر کا کرایہ دیتے تھے،دو ہزاردادی اماں کی دوائی کے لئے رکھتے تھے،تین چھوٹے بہن بھائیوں کی اسکول فیس،جیب خرچ کے تین ہزار رکھتے تھے،باقی کے 15000 سے پورا مہینہ گزارا کرتے تھے،سبزی اور بجلی بل کے لئے گھر پر پانچ ہزار کی ٹیوشن پڑھایا کرتی تھیں۔میرے والد کی بھی کوئی ریگولر جاب نہیں ہے،کبھی مزدوری لگ جاتی تھی کبھی نہیں،لیکن پچھلے تین ماہ سے گھر پر بیٹھے ہیں۔آپ کے دوراندیشانہ فیصلے،کورونا کو پھیلنے سے تونہیں روک سکے لیکن ہماری چھوٹی سے خوشیوں کو یقیناً برباد کر گئے ہیں کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ریاستِ مدینہ میں ایسا وقت بھی آئے گا،رعایا بھوک سے خودکشی کرنے پرمجبور ہوگی،بیٹیوں کی عزت کی بولیاں لگیں گی اور راعی اپنی زوجہ کے ساتھ نتھیا گلی کی سیر کررہا ہوگا۔ہم سندھ کے لوگ تو ویسے ہی حکومتِ یزیدیہ میں رہ رہے ہیں،جہاں غریب کوروٹی کپڑا مکان کا نعرہ تو دیا جاتا ہے لیکن اصل میں ان سے جینا چھینا جاتا ہے۔آپ کے وعدوں اوراماں کے مرشد طارق جمیل کے شاہانہ قصیدوں سے سوچا شاید عمر بن عبدالعزیز کا دورلوٹ کے آیا ہے۔لیکن جو ہم پر قیامت گذر رہی ہے اس کے بعد سمجھتی ہوں اس سے تو برطانیہ کی غلامی بہترتھی.تین ماہ سے تنخواہ بند،ٹیوشن بند،بابا کی مزدوری بند،بس گھر کے اثاثے بیچ کرگھر کا کرایہ دے رہے ہیں اثاثے بھی کیا اماں کو جہیز میں ملنے والا آدھا تولہ سونا غربت دیکھ کر دادی اماں نے دوائی لینے سے انکار کردیا اور یوں پندرہ روز کے اندرایک فیملی ممبر کا آٹا اور دو ہزار کی دوائی کے پیسے بچ گئے...دادی اماں وفات پا گئیں تو کچھ لوگ عین جنازہ دفن کرنے کے وقت آئے اورزبردستی جنازہ چھین کرلے گئے کہ یہ بڑھیا کرونا کی مریضہ تھی۔رمضان المبارک میں پانی ہی سب سے بڑی نعمت تھی،اماں چھوٹے بہن بھائیوں کو باہر جانے نہیں دیتی تھیں کہ کہیں پڑوسیوں کے گھروں کے سامنے فروٹ کے چھلکے دیکھ کر مایوس نہ ہوں.چھوٹے بہن بھائیوں کے عید کے کپڑوں نے کافی پریشان رکھا،اماں کو بھیجا کہ پڑوس سے اگرسلائی کے کپڑے مل جائیں تو سلائی کر کے چھوٹوں کوعید سوٹ دلوائیں،لیکن وہاں سے بھی مایوسی ہوئی.مایوس ہوکر اسکول مالک سے رابطہ کیا،انہوں نے تین ماہ کا فیس ریکارڈ دکھایا تو ریکوری صفرتھی،میں چپ چاپ اُٹھنے لگی تھی تو انہوں نے پانچ ہزارروپے دیتے ہوئے کہا بیٹا حالات یہ ہیں کہ قرضہ کے اوپرقرضہ لیکر کرایہ دے رہے ہیں۔پاکستان کے لاکھوں پرائیویٹ اسکولز کا یہی حال ہے،سترہ لاکھ اساتذہ نہیں سترہ لاکھ خاندان فاقہ کشی میں مبتلا ہیں۔اے ریاستِ مدینہ کے داعی،،،اب تو عزت کے علاوہ کچھ بیچنے کو بچا ہی نہیں ہے.مالکِ مکان کو جب گھر کے باہر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوں تو دل کرتا ہے زمین جگہ دے دے اورزمین کے اندر دھنس جاؤں،لیکن سوچتی ہوں کہ یہاں تو خواتین کی لاشیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔اے ظلِّ الٰہی!!! اگر دل رکھتے ہو تو قوم کی بیٹی کی اس فریاد پر خدارا ذرا غور کرنا.ملک میں سترہ لاکھ پرائیویٹ اسکول ٹیچرز بے روزگار ہوئے ہیں،شاید ہرگھر کی یہی کہانی ہو،ہم ایسے پیشے سے وابستہ ہیں کہ نہ تو ہاتھ پھیلا سکتے ہیں اورنہ ہی امداد کے لئے لائن میں کھڑے ہو سکتے ہیں،ہماری سفید پوشی کا بھرم رکھنا.....چیف جسٹس بار کی حمایت حاصل کرنے کے لئے فی وکیل کو 12000 روپے دلواتے ہیں لیکن قوم کے ان معماروں کا کسی نے نہیں سوچا نہ تو ہمارے ایم پی ایز،ایم این اوز کو کبھی خیال آیا اور نہ تو کسی وزیر کبیر نے کبھی بیان دیا۔کیونکہ ہم الیکشن میں کام آنے والے مہرے نہیں ہیں اورنہ ہی کالی وردی والوں کی طرح ججز کے حق میں نعرے لگانے والے ہیں.میں قوم کی بیٹی آپ کی خدمت میں ان سترہ لاکھ خاندانوں کی فریاد رکھتی ہوں،تمام پرائیویٹ اسکول ملازمین کو لاک ڈاؤن کے دوران قرض حسنہ کے طور پر ماہانہ الاؤنس دیا جائے،تاکہ کوئی بیٹی بھیڑیوں کی نذر ہونے سے بچ جائے.اے داعی ریاست مدینہ،،،اگر یہ نہیں کر سکتے ہو تو ایک کام کریں،ہمیں چھ فوٹ زمین کا ٹکڑا دیا جائے جہاں سکون سے سو سکیں،اور مرنے کے بعد کسی کی درندگی کا شکار نہ ہوسکیں۔آپ کی............(باشعور معمارِ قوم)

غزلیات

طاہر بٹ

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

تیری رفعتیں جو عیاں کرے مجھے وہ بلند خیال دے
تیرا قرب جن سے نصیب ہو مجھے ایسا حسن خصال دے
کہوں تجھ سے میں کبھی روبرو نہیں میرا تیرے سوا کوئی
تیرا ہاتھ چوم کے میں کہوں مجھے اذن دید جمال دے
تُو تو نور ہے اسی نور کا جو تھا جلوہ زن کبھی طور پر
میرا دل تو ہے شب تار سا تُو خدارا اسکو اُجال دے
میری عاقبت یوں سنوار دے تُو امین کون ومکان ہے
اے امام روز جزا مجھے تُو شفاعت اپنی کی ڈھال دے
تیرے پاس ہیں وہ امانتیں جو زمین فلک نہ اٹھا سکے
کبھی اپنے جذب عشق سے تُو مجھے بھی عزم جبال دے
تیری چاہ کا جو اسیر ہے وہ سلامتی کا سفیر ہے
میں زمانے بھر کو یہ دوں ندا مجھے آقا روح بلال دے
میری ہر گھڑی ہو زبان تر ترے ذکر و ورد درود سے
مجھے میرے مولا کچھ ایسے ہی شب وروز دے مہ وسال دے

مبارک صدیقی

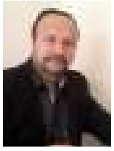

اُسے کچھ نہ ہو...

اے مرے خدا مرے چارہ گر، اُسے کچھ نہ ہو
مجھے جاں سے ہے وہ عزیز تر، اُسے کچھ نہ ہو
ترے پاؤں پڑ کے دعا کروں سرِ دشت میں
مرے سر پہ ہے وہی اک شجر، اُسے کچھ نہ ہو
ترے ایک کُن سے ہیں موسموں کی یہ گردشیں
سو یہ حکم دے اِنہیں خاص کر، اُسے کچھ نہ ہو
وہ جو ایک پل تھا قبولیت کا مجھے ملا
تو کہا تھا خالقِ بحرو بر، اُسے کچھ نہ ہو
اے غنیمِ جاں چلو آج تجھ سے یہ طے ہوا
مجھے زخم دے بھلے عمر بھر، اُ سے کچھ نہ ہو
یو نہی بے سبب میں اداس ہوں کئی روز سے
سو غزل کہی ہے یہ چشمِ تر اُسے کچھ نہ ہو

اعتبار ساجد

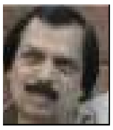

مجھے ایسا لطف عطا کیا، جو ہجر تھا نہ وصال تھا
مرے موسموں کے مزاج داں، تجھے میرا کتنا خیال تھا
کسی اور چہرے کو دیکھ کر، تری شکل ذہن میں آ گئی
تیرا نام لے کے ملا اسے، میرے حافظے کا یہ حال تھا
کبھی موسموں کے سراب میں، کبھی بام و در کے عذاب میں
وہاں عمر ہم نے گزار دی، جہاں سانس لینا مُحال تھا
کبھی تُو نے غور نہیں کیا، کہ یہ لوگ کیسے اُجڑ گئے؟
کوئی میر جیسا گرفتہ دل، تیرے سامنے کی مثال تھا
تیرے بعد کوئی نہیں ملا، جو یہ حال دیکھ کے پوچھتا
مجھے کس کی آگ جُھلسا گئی؟ میرے دل کو کس کا ملال تھا؟
کہیں خون دل سے لکھا تو تھا، تیرے سال ہجر کا سانحہ
وہ ادھوری ڈائری کھو گئی، وہ نجانے کون سا سال تھا؟

شمشاد شاد

کچھ غم نہیں کسی کو سروکار ہونہ ہو
کوئی مری وفا کا طلب گار ہو نہ ہو
آنکھوں میں آنکھیں ڈال مری، تجھ کو اس سے کیا
فرطِ حیا سے سرخ یہ رُخسار ہونہ ہو
دیکھا جو تم نے پیار سے تسکین مل گئی
اچھا اب اس کے بعد یہ بیمار ہو نہ ہو
رشتوں کے بیچ آ ہی گئی ہے درار تو
کیا فرق کوئی اینٹ کی دیوار ہو نہ ہو
پختہ ارادہ لے کے چلے ہیں سفر پہ ہم
رستہ ہمارے واسطے ہموار ہو نہ ہو
ان خوشنما نظاروں کو جی بھر کے دیکھ لے
بارِ دگر تو نیند سے بیدار ہو نہ ہو
سولی پہ لایا جاتا ہے اک عام آدمی
یہ بات الگ کہ شادؔ خطا وار ہو نہ ہو

شکیل قمر

محفل میں آ گیا میں اسی جستجو کے ساتھ
اک بار مل سکوں میں اُسی خو برو کے ساتھ
ملنے کے اور بھی تھے یہاں راستے ہزار
ملنا میں چاہتا تھا اُسے آبرو کے ساتھ
آنکھوں میں نشہ ایسے کہ جیسے شراب رنگ
اب کے ملوں گا میں اُسے جام وسبو کے ساتھ
زندہ ہوں آج بھی میں انہی حسرتوں کے بیچ
کچھ اور وقت مل سکے اُس ماہ رُو کے ساتھ
ملنے کے واسطے ہیں یہاں خوبرو بہت
ملنا مجھے تو ہے کسی بھی ہو بہو کے ساتھ
مفعول مفا علات مفا عیل فاعلن

عباس ثاقبؔ

یوں تو ہے ہر نظم میں لفظ و معنی کی برسات الگ
لیکن جن شعروں میں تم ہو، ان شعروں کی بات الگ
اب تو سب منظر اک جیسے، اک جیسے سب چہرے ہیں
تیرے ساتھ نظر آتے تھے شہر الگ، دیہات الگ
اس کمرے کی دیواروں پر ناچتے سائے وحشت کے
اور کھڑکی سے جھانک رہی ہے اک کلموہی رات الگ
ایک قبیلے کے باسی ہیں ہم روٹی کے مارے لوگ
بھوک لگے تو کب رہتی ہے تیری میری ذات الگ
مایوسی کی زرد خزاں سے سارا گلشن سہم گیا
ہر ٹہنی پر سسک رہے ہیں پھول الگ اور پات الگ
جب تک دھن ہے تب تک ساری دنیا کا من بھاتا ہے
مجبوری میں ہو جاتی ہے بندے کی اوقات الگ
آؤ، ثاقبؔ! دونوں مل کر اپنا رستہ چلتے ہیں
بھیڑ بڑھی تو ہو جائیں گے اک دوجے سے ہات الگ

گلشن بیابانی

یوں تو کوئی راہزن نا راہبر اچھا لگا
مدّتوں کے بعد کوئی ہمسفر اچھا لگا
وصل کی شب میں مرا بس ایک بوسہ مانگنا
اور اسکا روٹھنا وہ مختصر اچھا لگا
صبح سورج کی شعائیں، تیر سی چبھنے لگیں
جگنوؤں کا ٹمٹمانا رات بھر اچھا لگا
بعد انکارِ مسلسل، کرلیا اقرار کیوں
گھومنا میرا تمھیں کیا دربدر اچھا لگا
اے پڑوسی! چھاں ملتی ہے مجھے اسکی گھنی
بے ثمر ہے پھر بھی تیرا یہ شجر اچھا لگا
سب ستارے سوگ اُٹھکھیلیاں کرتے ہو
بادلوں سے جھانکتا، تنہا قمر اچھا لگا
ساتھ تھی گلشن ہمارے جب تلک بادِ صبا
ہم کو ہر دشت و بیاباں کا سفر اچھا لگا

ڈاکٹر مقصود جعفری

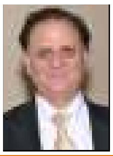

دیکھا نہ مہر و مہ کو صحرائی زندگی میں
جاری سفر رہا ہے تاروں کی روشنی میں
آشفتہ سر تھے سر کی ہم نے لگائی بازی
جاں سے گزر گئے ہیں اس زعمِ سرکشی میں
رہبر رہے ہیں رہزن منزل کہاں سے ملتی
کھائے فریب کتنے رہبر کی رہبری میں
چارہ گرو نہ سمجھو دل کی لگی کو آساں
دیکھا ہے زخم خوردہ اِس دل کو دل لگی میں
کرتے رہے ہیں باتیں ہجر و وصال کی ہم
کچھ ذکرِ کم نصیباں ہو جائے شاعری میں
یا رب یہ درد کیا ہے جو دل سے اُٹھ رہا ہے
اِک کیفِ سرمدی ہے اِس دردِ عاشقی میں
شاعر بھی فلسفی بھی، شعلہ بیاں بھی ہے
انسان سے محبّت ہے خُوئے جعفری میں

عاصی صحرائی

ہر سر پہ اب عزت کی دستار نہیں ہے
عوام کی کوئی بھی ہمدرد اب سرکار نہیں ہے
ابن الوقت ہو گیا ہے یہ بد بخت زمانہ
کوئی بھی انساں اب صاحبِ کردار نہیں ہے
صبرو برداشت سے عاری ہوگئی ہے دنیا
شور و غوغا تو ہے مگر کوئی خوش گفتار نہیں ہے
قول و عمل کا فرق نظر آتا ہے ہر جا
بدعملی کی وجہ سے مومن کی للکار نہیں ہے
اس قوم کو مقصد ہوا ہر وقت مفاد پرستی
مغرب کی طرح قمیض تو ہے مگر شلوار نہیں ہے

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سرفراز بزمی

رعشہ جہان کفر میں، کانپی فضائے خیبری
اے کہ تیرے ورود سے لات وہبل میں تھرتھری
ثوروحرا ترا مقام، جن و بشر ترے غلام
کاسہ بکف ترے حضور، سارا جہان قیصری
قبلہ بھی تو قبیل بھی کوثر و سلسبیل بھی
"تجھ پہ تمام ہوگئی دونوں جہاں کی رہبری"
تو نے عجب عطا کیا فقر وغنا کا فلسفہ
دل کا فقیر تو فقیر، دل کی غنا تونگری
جنبش لب کی بات کیا، رب کا کہا ترا کہا
اے کہ اشارہ بھی ترا، شق قمر کا مظہری
تیرے قدم سے زلزلے قصر توہمات میں
ضرب احد سے چور چور سارے بتان آذری
پل میں حرم سے قدس تک پل میں زمیں سے تا فلک
تیرے براق پر کہاں برق تپاں کو برتری
رونق بزم کن فکاں، نازش حسن عرشیاں
تیرے غلام کے غلام، سارے جنید و سنجری
طائر دل اسیر شب، ساز حیات جاں بلب
سدرہ نشین تا کجا؟ دربدری گداگری
دارو درد دل شہا! نغمۂ جاں فزا ترا
تیرا جمال دلربا کون و مکاں کی دلبری
خنجر طائف و احد روک سکے نہ تیری راہ
توڑ سکا نہ جبر ثور تیرا حصار بندگی
شاہ بھی شہسوار بھی، زاہد و شب گزار بھی
مظہر شرح 'الکتاب'، تیری تمام زندگی
اے کہ دیار نور تو اور میں تیرگی تمام
تیرے جنوں سے مرتعش قلب ونظر میں روشنی

ناقہء بے زمام کو سو قطار کھینچ لوں
میرے سخن کا مدعا، میرا مدار شاعری
بزمِ کوچہ گرد پر ہو نہ حضور اگر نظر
کیسا غزل کا قافیہ، کیسی سخن شاوری

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

وہ حسن وہ شباب وہ رنگت نہیں رہی
سچ پوچھئے تو پہلی سی صورت نہیں رہی
راتوں کو جاگنے کا زمانہ گزر گیا
راتوں کو جاگنے کی وہ عادت نہیں رہی
اب مانگتے ہیں قوتِ پرواز کا ثبوت
جب بازوؤں میں اُڑنے کی طاقت نہیں رہی
لوگوں نے مال و زر کو ہی ایماں بنا لیا
دنیا میں اب خلوص کی قیمت نہیں رہی
آیت کلامِ پاک کی جب بہن سے سنی
حضرت عمر کو دین سے نفرت نہیں رہی
پیہم حوادثات نے بزدل بنا دیا
اب مجھ میں لب ہلانے کی جرآت نہیں رہی
اے دوستو تمہارے خلوص وکرم کی خیر
اس دل میں اب کسی کی محبت نہیں رہی
جانے یہ کس نگاہ سے دیکھا ہے اس نے آج
پہلی سی دل میں درد کی شدت نہیں رہی
کیا بات ہے کہ فصلِ بہاراں میں دوستو
پھولوں میں دلفریب وہ رنگت نہیں رہی
لوگوں کو کیا ہوا یہ منوّر بتایئے
آنکھوں میں کیوں کسی کی مروت نہیں رہی

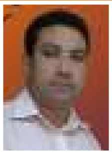

ڈاکٹر ظفر جاذب

غم لگاتار جو تقدیر میں آجاتا ہے
کرب کا ذائقہ تحریر میں آجاتا ہے
اپنا چہرہ بھی سرِ آئینہ گر دیکھوں میں
عکس تیرا میری تصویر میں آ جاتا ہے
اس کی قسمت میں تمام عمر اسیری ٹھہری
جو ترے پیار کی زنجیر میں آ جاتا ہے
جب وہ الفاظ کی اصنام گری کرتا ہے
ہر کوئی لہجے کی تاثیر میں آ جاتا ہے
یہی شکوہ ہے سرِ بزم وہ ملتا ہے مجھے
اس طرح وصل بھی تعزیر میں آ جاتا ہے
حاکمِ وقت پہ لازم ہے نگہبانی کرے
گر کوئی شخص بھی جاگیر میں آ جاتا ہے
چھت کے گرنے کا اندیشہ ہے کہ جب جاذب!
گھن چلتا،چلتا ہوا شہتیر میں آ جاتا ہے

ساجدہ انور

جو مجھ پر تیری رحمت کا ہو سایہ
پلٹ دے گردش عالم کی کایا
عزائم جب بھی پختہ روپ دھاریں
تو سورج سے بھی پھوٹیں سکھ کی چھایا
ہوئی جو چاندنی نا مہرباں تو
فلک کو رب کی رحمت نے سجایا
گل و گلزار جیون ہوگیا ہے
مجھے جب سے شعور ذات آیا!
بہ سجدہ سر، مقام عرش پہنچا
تری حکمت کوئی کیا جان پایا

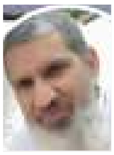

سرفراز بزمی

ترے ہجر نے عطا کی یہ عجیب بےقراری
" نہ سکت ہے ضبط غم کی نہ مجال اشکباری"
مرے سومنات دل پرصف غزنوی سے بڑھ کر
تری شبنمی ادائیں، ترا طرز غمگساری
میں کہاں ہوں اور کیا ہوں،تو کہاں ہے اور کیا ہے؟
اسی جستجو میں گزری، کبھی رات ساری ساری
یہ ستیزہ گاہ عالم، یہ حریف زلف برہم
نہ جنون فتنہ ساماں ، نہ خرد کی ہوشیاری
"تو مری نظر میں کافر، میں تری نظر میں کافر"
میں اسیر زلف جاناں،تو حریص شہریاری
مری خشک کشت دل پر ، ترے لفظ برق مضطر
کہ دھواں دھدھک نہ جائے، تری تہمتوں پہ واری
یہ مجاوران کعبہ ، انھیں کیا ہوا خدایا !
ترے دوستوں سے نفرت، ترے دشمنوں سے یاری
کوئی رستمی سے کہدے ،کوئی مرجبی سے کہدے
میں غلام مصطفٰی ہوں، مرا شوق جانثاری
ہے بیان حال گلشن، یہ جلے جلے نشیمن
یہ گھٹی گھٹی فضائیں ، یہ گلوں کی آہ و زاری
اے غرور بندہ پرور، تجھے ہو جو خوف محشر
تو سریر سلطنت بھی ہے کلاہ خارداری
رہ زندگی میں بزمی ، یہ متاع دل کی بازی
کبھی رہزنوں سے ہاری کبھی رہبروں سے ہاری

ڈاکٹر مقصود جعفری

خون پیتے یہ درندے نہیں دیکھے جاتے
ایسے انسانوں کے چہرے نہیں دیکھے جاتے
در بدر پھرتے ہیں یہ نانِ جویں کی خاطر
مجھ سے یہ پھول سے بچّے نہیں دیکھے جاتے
وہ بھی دن تھے کہ پڑھا کرتے تھے لوحِ محفوظ
اب تو افلاک کے پردے نہیں دیکھے جاتے
اپنے سائے سے بھی اب خوف مجھے آتا ہے
پسِ دیوار بھی سائے نہیں دیکھے جاتے
درد انسان کو انساں سے ملا دیتا ہے
درد میں اپنے پرائے نہیں دیکھے جاتے

کس طرح قیدِ قفس میں اِنہیں دیکھوں صیّاد
پر شکستہ یہ پرندے نہیں دیکھے جاتے
ظلمتِ شب نے کیا جعفری ایسا بے نُور
شب گزیدہ یہ سویرے نہیں دیکھے جاتے

ساجدہ انور

جو مجھ پر تیری رحمت کا ہو سایہ
پلٹ دے گردش عالم کی کایا
عزائم جب بھی پختہ روپ دھاریں
تو سورج سے بھی پھوٹیں سکھ کی چھایا
ہوئی جو چاندنی نا مہرباں تو
فلک کو رب کی رحمت نے سجایا
گل و گلزار جیون ہو گیا ہے
مجھے جب سے شعور ذات آیا!
یہ سجدہ سر، مقام عرش پہنچا
تری حکمت کوئی کیا جان پایا

افتخار راغب دوحہ قطر

جو بھی چلّا کے ترنم میں ہیں گانے والے
آج ان کو ہی بلاتے ہیں بلانے والے
کم سے کم میرا تخلص تو مجھے لوٹا دے
نام سے اپنے غزل میری سنانے والے
بھیج کر سارے ہی نیتاؤں کو سرحد پر لوگ
شاعروں کو ہیں الکشن میں لڑانے والے
آپ کو جون میں بھی آب سے ڈر لگتا ہے
جنوری میں بھی نہاتے ہیں نہانے والے
دوستوں میں نظر آئیں گے پرانے دشمن
دشمنوں میں ہیں کئی دوست پرانے والے
کب تھے ہم دوست؟ ذرا یاد دلا دے پہلے
دشمنی کے لیے اے ہاتھ بڑھانے والے
دانت منہ میں ہے نہ انگلی میں ہے جنبش پھر بھی
باز آتے ہیں کہاں عشق لڑانے والے
کون ہیں امن کے دشمن میں بتاؤں تم کو
کون انساں کو ہیں انساں سے لڑانے والے
جس پہ کرتے تھے سواری کبھی رام اور لکھن
اب اُسی رتھ پہ ہیں راون کے گھرانے والے
دل سے ہنستا ہے اُسی وقت زمانہ راغبؔ
خود پہ جب ہنستے ہیں اوروں کو ہنسانے والے

احمد علی برقی اعظمی

ہیں مجید اللہ میرے ایسے اک نادیدہ یار
جن کی ہے اردو نوازی باعث صد افتخار
ان کی ان خدمات کا کوئی نہیں نعمل البدل
باعث عزوشرف ان کا ادیبوں سے ہے پیار
صرف مجھ پر ہی نہیں ہے ان کا یہ لطف وکرم
ان کے منظور نظر ہیں اور شعراء بے شمار
میرا اخلاقی فریضہ ہے کہ کچھ ان پر لکھوں
سب کے منظور نظر ہیں ان کے یہ نقش و نگار
ان کی یہ خدمات ہیں سود و زیاں سے بے نیاز
ان کی اس بے لوث خدمت کا ہوں میں منت گذار
ہے یہ اک فنکار کے عرض ہنر کا اعتراف
کیا عجب رہ جائیں یہ اشعارِ میرے یادگار
ان کی اس برقی نوازی کا نہیں کوئی جواب
دے جزائے خیر انہیں اس کے لئے پروردگار

عباس ثاقب

کوششِ رائگاں سے کم نہیں ہے
زندگی امتحاں سے کم نہیں ہے
پر ہواؤں نے توڑ ڈالے مگر
حوصلہ آسماں سے کم نہیں ہے
ہر گھڑی اس کی یاد میں رہنا
فکرِ سود و زیاں سے کم نہیں ہے
کیسی الجھن ہے، اس کے ہونٹوں پر
اک ’’نہیں‘‘ ہے جو ’’ہاں‘‘ سے کم نہیں ہے
روز تھوڑا سا ٹوٹ جاتا ہے
دل، ہمارے مکاں سے کم نہیں ہے
کر رہی ہیں ساعتیں سجدے
اس کا لہجہ اذاں سے کم نہیں ہے
عشق ایسا سفر ہے جس میں، میاں!
دھوپ بھی سائباں سے کم نہیں ہے
یہ شب و روز کا تسلسل بھی
غمزہء مہوشاں سے کم نہیں ہے
شاخچے سے گرا ہوا پتا
عاشقِ بے اماں سے کم نہیں ہے
جس کو کہتے ہیں ہم غزل، ثاقبؔ!
نالۂ کشتگاں سے کم نہیں ہے

عبدالحمید حمیدی کنیڈا

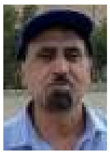

بیکار چلا جائے نہ یوں پیار کا موسم
لب کھول دو کہ آج ہے اظہار کا موسم
دل اڑتا چلا جائے ہے وارفتگی میں آج
اقرار کا موسم ہوکہ انکار کا موسم
لہرائے تیری زلف صبا خوشبو بکھیرے
کیا خوب دھوپ چھاؤں ہے رخسار کا موسم
اک بار مجھ کو دیکھ ذرا ترچھی نظر سے
ہو جائے گا اچھا تیرے بیمار کا موسم
بکھرا پڑا ہے حسنِ ازل چاروں ہی جانب
واہ دیدہ دل کر لو ھے دیدار کا موسم

ذرے کی چھان پھٹک میں صدیوں کا سفر طے
وارد کروں جو خود پہ اسرار کا موسم
مالک سے ناطہ جوڑو کہ ہو تنگی و ترشی
رہتا ہے سدا زندہ اقرار کا موسم
سایہ ہو کہ ہم سایہ رہے اپنی نظر میں
ہر لحظہ و ہر آن ہے ایثار کا موسم
بھرتا رہے پھر کاسہ روح خیر سخن سے
گاتا رہے یونہی میرے ا شعار کا موسم

مریم نواز کیلئے
لبنیٰ آرائیں

ہم نے سکھ چین سب لٹائے ہیں
تب کہیں جا کے لوگ پائے ہیں
ہم نے دن رات محنتیں کرکے
غیر اپنے تو پھر بنائے ہیں
جب بھی دُشمن نے ہم کو للکارا
سر اُٹھا کر مقابل آئے ہیں
فاصلے ختم ہوگئے سارے
جال سڑکوں کے کیا بچھائے ہیں
شیر جیتیں گے شیر جیتیں گے
ہم نے گیدڑ سبھی بھگائے ہیں
جس سے روشن ہوا ہے سارا وطن
علم کے دیپ وہ جلائے ہیں
جانے دُشمن وہاں پہ ہیں کتنے
تیر سرحد سے پار آئے ہیں
بم بنا کر زمانہ غربت میں
کوہِ چاغی پہ جا چلائے ہیں
صرف ماری ہے دھاڑ شیروں نے
مار آمر سبھی بھگائے ہیں
جانِ لبنیٰ نثار مریم پر
جس نے بت آکے سب گرائے ہیں

امجد غزالی

چشم قاتل کی جو مد ہے حد ہے
ایک عالم پہ ہی زَد ہے حد ہے
تیری آنکھوں سے جو پی لی ساقی
ہوش باقی نہ خرد ہے حد ہے
دل کہے چاند اُتاروں نیچے
ایک نادان سی کد ہے حد ہے
تیری ہر بات ہے مقبول یہاں
میری ہر بات ہی رَدّ ہے حد ہے
کاٹ دیتے ہیں زبانیں جس میں
کیا وہی تیرا بلد ہے حد ہے
دیکھ ساگر میں چڑھاؤ جاناں
تیرے عارض کی یہ مد ہے حد ہے
جبر کاٹا ہے مسلسل ہم نے
کار یہ تا بہ ابد ہے حد ہے
میں تجھے بھول کے زندہ بھی رہوں
یہ تمنا بھی اشد ہے حد ہے
شور برپا ہے غزالی کیسا
ریگ ہی ریگ پہ گد ہے حد ہے

ڈاکٹر مقصود جعفری

بعد مرنے کے چارہ گر آیا
یُوں ہی الزام میرے سر آیا
لوٹ کر جب بھی دیکھا ماضی میں
یاد مجھ کو وہ ہمسفر آیا
کیوں نہ آنکھیں بچھاؤں راہوں میں
مجھ سے ملنے وہ میرے گھر آیا
زندگی نے یہ موت سے پوچھا
نخلِ توبہ پہ کیا ثمر آیا
جس کو دیکھو بنا ہوُا ہے خدا
عرش سے کیا خدا اُتر آیا
رات گزری ہے چاند کو تکتے
کون یہ چاند میں نظر آیا
کون گزرا ہے جعفری اُن سے
جن مراحل سے میں گزر آیا

ساجد محمود رانا

کیسی بیمار کو شفا دی ہے
زندگی موت سے ملا دی ہے
آگ بجھتی نظر نہیں آتی
تیرے فتوے نے جو لگا دی ہے
میرے کمرے میں روشنی کیوں ہے
تُونے شمع اگر بجھا دی ہے
میں تھا عنوان میں ہی الجھا ہوا
آپ نے داستاں سنا دی ہے
دینے والے یہ زندگی ہے اگر
سوچتا ہوں کہ تو نے کیا دی ہے
کیوں چراغوں کو دے رہے ہو صدا
آنکھ جب تیرگی کی عادی ہے
واجب القتل ہوگئے ساؔجد
تم نے حق بات کو ہوا دی ہے

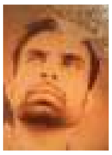

ساجد محمود رانا

اے شاہِ اُمم شان کے امکان برابر
لکھتا بھی کوئی کیسے مگر شان برابر
خواہش ہے بیاں کرتا رہوں آپؐ کی مدحت
ہو جائے زباں حضرتِ حسان برابر

سوجان کروں آپؐ کے میں نام پہ قرباں
سوجان مرے پاس ہو اک جان برابر
محشر ہی نہیں آپؐ کی الفت کی بدولت
ملتی ہے زمانے میں بھی پہچان برابر
اے کاش مجھے آئے جو اُس در پہ بُلاوا
ہوتے ہیں جہاں عامی و سلطان برابر
خوش بخت زمانے میں کہاں مجھ سا ہو کوئی
رُتبہ ہو اگر آپؐ کے دربان برابر
کرتا رہا ساجد میں خطاؤں پہ خطائیں
ہوتے رہے پر ان کے بھی احسان برابر

شیوشرن بندو
فتحپور بھارت

ہم بھی چھت پر وہ بھی پر آنکھیں چار
چور ہوئی جاتی ہیں تھک کر آنکھیں چار
دو آنکھوں سے دیکھ تو سکتے ہیں لیکن
ساتھ نبھاتی ہیں جیون بھر آنکھیں چار
موم کی صورت ہو جاتے ہیں پتھر دل
ہو جاتی ہیں جب بھی اکثر آنکھیں چار
آنکھوں سے بھی پیار نہیں کر سکتے ہم
دیکھ رہی ہیں بیچ سڑک پر آنکھیں چار
کچھ خوش تھے کچھ حیرت میں کچھ بے من تھے
لے کر آیا ایک قلندر آنکھیں چار
عمر ہماری یوں بھی تو کٹ سکتی ہے
ایک پلنگ ہو ایک ہو بستر آنکھیں چار
مُجھ میں روشن ہوتی رہتی ہیں بندھو
دو باہر، دو دل کے اندر آنکھیں چار

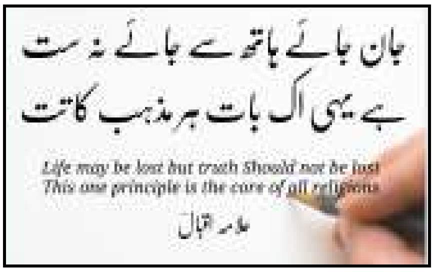

ساجدہ انور

آنسوؤں میں صدا پنپتے رہے
کم نگاہی کی بھینٹ چڑھتے رہے
زندگی جن کو سونپ ڈالی تھی
میرے کردار کو پھٹکتے رہے
نقش میرے بگاڑ ڈالے پھر...
بدنمائی شمار کرتے رہے
در بدر ہیں مکاں کے ہوتے بھی
اک سکونت کا دم ہی بھرتے رہے
کوئی دمساز کب ملا گو کہ
لوگ ملتے رہے بچھڑتے رہے
جوہری تھا تو کیوں نہ پہچانا
گوہر اشک جو لُٹتے رہے
ساجدہ، گل کے غم کو تب جانا
ٹوٹ کر ہم بھی جب بکھرتے رہے
ہے پنجند پہ آج مرا ''محشر خیال''

احمد علی برقی اعظمی

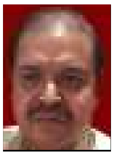

ہے پنجند پہ آج مرا ''محشر خیال''
اک پورٹل ہے عہدرواں کا جو بے مثال
برپا تھا میرے ذہن میں جو محشر خیال
اشعار کی ہے شکل میں یہ میری عرض حال
عہد رواں میں تھا غم دوراں سے میں نڈھال
سوز دروں نے کردیا جینا مرا محال
اپنا سمجھ رہا تھا جنھیں یار غمگسار
شطرنج کی بساط پہ وہ چل رہے تھے چال
عصری ادب میں ہو مری شاید یہ یادگار
میں جارہا ہوں چھوڑ کے جو نقش لازوال
بسیار گو سمجھتے ہیں جو ان دنوں مجھے
کل وہ کہیں گے تھا کوئی برقی بھی باکمال

منیر باجوہ

دسمبر کیا مہینہ ہے؟ الگ باقی مہینوں میں
مچلتی ہیں بہت یادیں کیوں آ کر جبینوں میں
ہمیشہ سرد راتیں اور ٹھنڈے دن ہی ہیں اسکے
نرالی آگ سی جُھلسائے رکھتا ہے یہ سینوں میں
کہیں مچھر نہ مکھی نہ ہی گرمی دھوپ شدت کی
مہینے بیشتر دیگر گزرتے ہیں پسینوں میں
سمندر ہے جو الفت کا چھلکتا اس مہینے میں
بہت ایسے ہیں جو کہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں
ہوائیں ٹھنڈی اس کی ساتھ لاتی ہیں پیام اُنکا
بچھڑ کر جو ہوئے رخصت وہ ماضی کے دفینوں میں
فضائیں اس کی افسردہ اندھیرے روز و شب اس کے
قرینے منفرد اس کے ہیں دنیا کے قرینوں میں
اندھیری رات میں اسکی حقیقی عشق والے آہ
''ید بیضا لئے ہوتے ہیں اپنی آستینوں میں''
برستے ہیں جو بادل جب کبھی ماہ دسمبر میں
تو بوندیں یوں گریں جیسے کہ مالا ہو نگینوں میں
وہ جلسہ کے مقدس دن وہ رونق اس مہینے میں
وہ رہ رہ کے گلے ملنا وہ چاہت ہم نشینوں میں
ہزاروں سال بھی گزریں سدا یادیں نئی اُنکی
بھلائے کون اُن یادوں کو سالوں میں مہینوں میں
بڑا دلدوز موسم ہے مہینہ ہے منیر ایسا
بسر ہوتے ہیں دن اس میں کہ جیسے آبگینوں میں

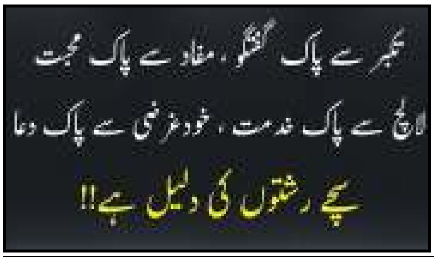

جوش ملیح آبادی

سوزِ غم دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکشِ دہر سے آزاد کیا
وہ کریں بھی تو کن الفاظ میں تیرا شکوہ
جن کو تیری نگہِ لطف نے برباد کیا
دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا، میں نے تجھے یاد کیا
اے میں سو جان سے اس طرزِ تکلم کے نثار
پھر تو فرمایئے، کیا آپ نے ارشاد کیا
اس کا رونا نہیں کیوں تم نے کیا دل برباد
اس کا غم ہے کہ بہت دیر میں برباد کیا
اتنا مانوس ہوں فطرت سے، کلی جب چٹکی
جھک کے میں نے یہ کہا، مجھ سے کچھ ارشاد کیا
مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

نسیم عباسی

قالین رہے ہیں نہ کوئی ٹاٹ رہا ہے
ٹوٹا ہوا یہ فرش مری کھاٹ رہا ہے
اب کون کرے وزن کسی چھوٹے بڑے کا
دنیا میں ترازو نہ کوئی باٹ رہا ہے
ہم اپنی کماں اپنی طرف کھینچ رہے تھے
دشمن کا کسے علم وہ کس گھاٹ رہا ہے
کچھ دیر مری چھاؤں میں رہنا ہے اسے بھی
جو بیٹھا ہوا میری جڑیں کاٹ رہا ہے
مجھ کو تو بھروسہ تھا نسیم اس کی زبان پر
وہ شخص مگر تھو کا ہوا چاٹ رہا ہے

احمد فہیم میو

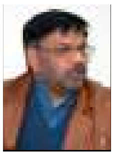

تو اگر فصلِ گلِ جاں نہیں بونے والا
پھر کسی درد کا درماں نہیں ہونے والا
اس سے بڑھ کر بھی بھلا اور برا کیا ہو گا
نور آنکھوں کا گنوا بیٹھا ہے رونے والا
قافلے والے سمجھتے ہی نہیں بات مری
خواب ہو جاوے ہے بیوقت کا سونے والا
ہم ہیں یارانِ وطن سیپ کے موتی کی طرح
ایک ڈوری میں کوئی ہوتا پرونے والا
چھید کشتی میں کیے تونے بھنور سے پہلے
ناخدا تو ہے سفینے کو ڈبونے والا
سرکشی حد سے بڑھی جاتی تھی دیوانوں کی
اس نے پھر بھیج دیا روگ کرونے والا
شعر کہتا ہے کہ جادو سا کرے ہے احمد
ہے یہی کوزے میں دریا کو سمونے والا

طفیل عامر

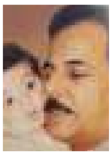

ہتھ ہتھاں چوں چھٹ دے رہندے
کچے دھاگے ٹٹ دے رہندے
ہور کسے تے وس نہ چلے
بچیاں نوں جو کٹ دے رہندے
ناں کیہ لئیے تے کیہ دسیئے!
دل نوں ساڈھے لٹ دے رہندے؟
سدا بہار دکھاں نوں ویکھاں
یاداں نال ایہہ پھٹ دے رہندے
سوکھا ساہ مارے کیہ لیناں
تگڑے سنگھی گھٹ دے رہندے
اساں تے جان وی دا تے لائی
تسی ہنڈورے سٹ دے رہندے
جھوٹھیاں آساں پچھے عامر
سارے ای پئینڈا پٹ دے رہندے

ڈاکٹر محمد عامر خان

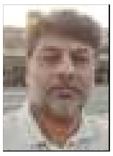

حال دل ہم یوں اچانک کہہ گئے
دیکھتے کے دیکھتے وہ رہ گئے
ہوگئی دنیائے دوں آخر کھنڈر
خواہشوں کے بت کدے جب ڈھ گئے
بے بسی کی دھند میں دنیا اٹی
آس کے سورج افق پر گہہ گئے
وہ سمندر سے نکالیں گے گہر
غوطہ زن ہو کر جو تہہ در تہہ گئے
عیب جوئی سے خفا ہوتے بھی کیا
ہنس کے ہم تو گالیاں تک سہہ گئے
دیکھئے گا سب پڑے ہیں منہ کے بل
جو بھی مہرے ہم کو دے کر شہہ گئے
دیکھ عامر موتیوں کو ٹک سنبھال
کتنے دریا آنسوؤں کے بہہ گئے

فرزانہ فرحت۔نعت

لپٹا ہوا ہے نور میں دیوانِ مصطفیٰ ﷺ
جس کے ہر ایک حرف میں ہے شانِ مصطفیٰ ﷺ
رحمت عزیز شعر کے قالب میں ڈھال کر
ہم کو دکھا رہے ہیں گلستانِ مصطفیٰ ﷺ
رکھا ہے اس کتاب کے ہر ورق ورق پر
آنکھوں سے چوم چوم کر سامانِ مصطفیٰ ﷺ
ہر سمت ہے ہجوم زیارت کے واسطے
چاروں طرف ہے آمدِ اعلانِ مصطفیٰ ﷺ

دیکھو کہ ہر قطار میں خوشیاں لئے ہوئے
باندھے کھڑے ہیں ہاتھ غلامانِ مصطفیٰ ﷺ
تشریف لا رہے ہیں جہانوں کے شہنشاہ
دل ہو رہے ہیں دیکھیے قربانِ مصطفیٰ ﷺ
فرحتؔ کرم خدا کا ہو رحمت عزیز پر
جن کے کلام میں ہے شبستانِ مصطفیٰ ﷺ

کلام طاہر

خدا کرے کہ مرے اک بھی ہم وطن کے لئے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو
سوائے اس کے کہ وہ شخص احمدی کہلائے
تو سانس لینے کی بھی اس کو یاں مجال نہ ہو
وہ سبزہ زاروں میں ہو سب سے سبزتر پھر بھی
رگیدا جائے اگرچہ وہ پائمال نہ ہو
چمن میں وہ گلِ رعنا جو خاک سے اُٹھے
اُکھاڑنے میں اسے تم کو کچھ ملال نہ ہو
وہ پھول ہو کے بھی آنکھوں میں خار سا کھٹکے
تو ایسا زخم لگاؤ کہ اندمال نہ ہو
وہ لاکھ علم و عمل کا ہو ایک اوجِ کمال
فقط وہ غازۂ گفتار و قیل و قال نہ ہو
مگر سب اہل وطن یہ بھی سوچ لیں کہ کہیں
لباسِ تقویٰ میں لپٹی ہوئی یہ کوئی چال نہ ہو
میرے وطن! مجھے تیرے اُفق سے شکوہ ہے
کہ اس پہ ثبت ہے عبدالسلام نام کا چاند
اسے ڈبو کے کوئی اور اُچھال کام کا چاند
تو یہ کرے تو کبھی تجھ پہ پھر زوال نہ ہو
ہر ایک شہری ہو آسودہ ہر کوئی ہو نہال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

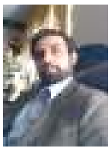

ساجد محمود رانا

دے کے گھر گھر دہائی مذہب کی
ہم نے عزت بچائی مذہب کی
میرے حصے میں آگ رہنے دیں
آپ کھائیں کمائی مذہب کی
شیعہ سنی ہو یا وہابی ہو
سب نے منڈی لگائی مذہب کی
اب یہ سُر ساز میں نہ آئے گا
بینڈ ایسی بجائی مذہب کی
تم بھی اچھے مقررین میں ہو
تم بھی دے لو صفائی مذہب کی
اللہ اللہ کیا کرو بھائی
چھوڑ دو یہ لڑائی مذہب کی
کتنے انسان اور مارو گے
کرتے کرتے بھلائی مذہب کی
کچھ تو رب پر بھی چھوڑ دو ساجدؔ
چھوڑ دو یہ خدائی مذہب کی

عارف پرویز نقیب

کبھی زمیں سے کبھی آسماں سے اُلجھے ہیں
کبھی مکاں سے کبھی لامکاں سے اُلجھے ہیں
سُلجھ رہے تھے جو دھاگے مری وفاؤں کے
تری جفاؤں کے بس اک بیاں سے اُلجھے ہیں
ابھی یہ فیصلہ ہونا ہے کیا کیا جائے
ابھی تو عشق کے سود و زیاں سے اُلجھے ہیں
عجب ہمارا تذبذب ہے تیری فرقت میں
کبھی یقیں سے کبھی ہم گماں سے اُلجھے ہیں
تجھے منانا بھی چاہا...منا نہیں پائے
کہ ہم تو اپنے ہی طرزِ بیاں سے اُلجھے ہیں
خطا یونہی کہ ترے شہر میں وفا بانٹی
ہوا یہی کہ ہم اپنے پیاں سے اُلجھے ہیں
نقیب زہر جو اُترا رگوں میں فرقت کا
کہ چاہِ قرب میں ہم بدگماں سے اُلجھے ہیں

یوسف ندیم

تجھ کو اس سے بتا ملا کیا ہے
تو نے دنیا کو بھی دیا کیا ہے
سن دیئے نے مجھے کہا کیا ہے
کیا ہے طوفان یہ ہَوا کیا ہے
کچھ بتاتے نہیں خطا کیا ہے
مجھ پہ الزام بھی لگا کیا ہے
پوچھتا ہے مئے وفا کیا ہے
خود ہی چکھ کر مجھے بتا کیا ہے
واقعہ ہے ہزاروں حصوں میں
ہے بیاں مختلف سنا کیا ہے
عشق کر لے سمجھ میں آئے گا
اس. کا زخموں سے واسطہ کیا ہے
تیرا دیوانہ رو رہا ہے بہت
کچھ بتا تو سہی ہوا کیا ہے
بھیڑ برسا رہی ہے جس پر سنگ
آخر اس کی بتا خطا کیا ہے
بندگی کو نبھاتا جاتا ہوں
میں نے جانا نہیں جزا کیا ہے
کیا کوئی آ گیا ہے دیوانہ
شور بچوں کا یہ مچا کیا ہے
تو نے سمجھا نہیں ندیمؔ اب تک
تیری ہستی کا مدعا کیا ہے

ڈاکٹر ظفر جاذب

ممکن ہے میری زیست میں مثلِ سزا رہو
ممکن ہے یونہی عمر بھر مجھ سے جدا رہو
ممکن ہے میرے نام پہ تم پھر سے جی اُٹھو
ممکن ہے میرے نام پہ تم بے مزا رہو
ممکن ہے یہ جہان بھی مجھ کو برا کہے
ممکن ہے میری ذات سے تم بھی خفاء رہو
ممکن ہے مجھ سے یاد کی دولت بھی چھین لو
ممکن ہے اس طرح سے مرا آسرا رہو
ممکن ہے ا ختلاف کا پہلو نکال لو
ممکن ہے اتفاق سے میرے سدا رہو

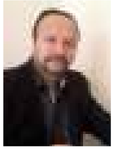

مبارک صدیقی

وہ جسے میں نے دل و جان سے چاہا، آہا
اُس نے بھی ایک مرا شعر سراہا، آہا
کوچۂ یار کے آزار بھی سُکھ ہوتے ہیں
اُس نے رکھا جو مرے زخم پہ پھاہا، آہا
کون ساقی ہے سرِ بزم شرابوں جیسا
میکدہ بول اٹھا جھوم کے آہا آہا
وہ مجھے پھول اگر دے تو کدھر جاؤں گا
جس سے پتھر بھی پڑا تو میں کراہا، آہا
کل وہ کہتا تھا مجھے شعر برے لگتے ہیں
آج کہتا ہے غزل سن کے جو آہا آہا
اپنے اعمال جو دیکھوں تو تہی دامن ہوں
تیری بخشش کو جو دیکھوں تو الہا آہا
مجھ سے پتھر کو بھی اک روز ستارا کر دے
خاک سے پھول اگاتا ہے تو شاہا، آہا
یار نے جو بھی کہا دل نے کہا بسم اللہ
اس طرح عشق مبارک نے نباہا، آہا

امجد مرزا امجدؔ

بدلا نہیں ہے اہلِ وطن کا چلن ابھی
مخلص ہی اپنے فن سے نہیں ، اہلِ فن ابھی
کتنے بدر کرو گے اپنے ہی ہم وطن
خالی بھی کر سکو گے اپنا وطن ابھی !
آزردۂ جہاں کی نمائش سے فائدہ؟
رہنے دو میرے چہرے کو زیرِ کفن ابھی
تڑپے ہے انتظار کے کانٹوں پہ زندگی
آیا نہیں چمن میں وہ گُل پیرہن ابھی
سب ولولے حیات کے، گو سرد پڑ چکے
زندہ مگر ہے اپنا مذاقِ سخن ابھی
گُل بھی شگفتہ ، شاخ بھی امجدؔ ہے محوِ رقص!
مانوس ہے فضاؤں سے روحِ چمن ابھی

گلشن بیابانی

بس اسلئے خلا میں وہ محوِ اڑان تھے
’’محفل میں انکی آج کئی آسمان تھے‘‘
مکرو فریب سے بھرے انکے بیان تھے
جنکی جبیں پہ سجدوں کے کالے نشان تھے
حق بات جن کو کرنی تھی افسوس، دوستو
وہ بھی رہے خموش، جو شعلہ بیان تھے
دیکھو، انا کو طاق پہ رکھتے ہی یہ ہوا
سب مِٹ گئے ہیں فا صلے ، جو درمیان تھے
سائے سے آپ اپنے ہی ڈرنے لگے تھے ہم
جب تک اسیر پنجرۂ وہم و گمان تھے
گزرے ہے اب تو عمر مسائل کی دھوپ میں
والد تھے گویا سر پہ مرے سائبان تھے
کانٹوں کی طرح جنکا صفایا کیا گیا
گلشن کی آبرو کے وہی پاسبان تھے

عروضِ محبت۔ساحلؔ

ترمیم اور اضافے کے بعد اس میں الحمدللہ تمام
عیوبِ سخن بیان کرنے کی کوشش کی ہے

وہ کہتی ہے مجھ کو عروضی بنا دے
مجھے بھی عروضِ محبت سکھا دے
بحورِ سخن پر تری دسترس ہے
مگر یہ سمجھنا کہاں میرے بس ہے
تو لمحوں میں تقطیع کرتا ہے پیارے
مجھے بھی طریقے سکھا اس کے سارے
سبب ہے وتد ہے یہیں فاصلہ ہے
مجھے اتنا بتلا یہ کیا ماجرا ہے
خفیف و ثقیل اور مجموع و مفروق
یہ صغریٰ یہ کبریٰ عجب سی ہیں مخلوق
فعولن فعولن فعولن کی باتیں
مربع مسدس مثمن کی باتیں
یہ فعلن فعولن مفاعیل کیا ہے
مثال اس کی دینا یہ تمثیل کیا ہے
یہاں فاعلن کو بھلا کیا کہیں گے
لکھیں گے جو اس پر تو کیسے لکھیں گے
اگر فعل سمجھی تو مفعول آیا
یہ شعروں نے مجھ کو کہاں لا پھنسایا
کہاں کیا گرانا ہے سب کچھ سکھا دے
مجھے حرفِ علت کی قسمیں بتا دے
مرا نام آخر پہ کیسے لکھے گا
یہاں آخری حرف کیسے گرے گا
لکھوں جو سحر تو اسے شام لکھ دے
تو بحرِ ہزج پر مرا نام لکھ دے
تخیل تمہارا نگیں بن رہا ہے
مگر وزن اس کا نہیں بن رہا ہے
لکھی تو نے وافر میں سمجھی تھی کامل
بتا اس کو اب میں کروں کس میں شامل
یہ سالم یہ مخبون و مخذوف کیا ہے
فراغت ہے اس میں تو مصروف کیا ہے

یہ تسکینِ اوسط یہ احزاف پیارے
بتا نظم کی مجھ کو اصناف پیارے
یہ غیرِ مردّف غزل یار کیا ہے
لکھا اس کو ایسے تو کاہے لکھا ہے
یہاں ہر قدم پر بڑی مشکلیں ہیں
جدھر دیکھئے واں کھڑی مشکلیں ہیں
میں کرتی ہوں بنتی مجھے سب سکھانا
مجھے فاعلن فاعلاتن بتانا
بحورِ مروج سکھا دے تو کیا ہے
مجھے عیب سارے بتا دے تو کیا ہے
یہ تکرار دل کی زباں سے ہٹا دے
مگر مجھ کو عیبِ تنافر سکھا دے
شکست اس کو بولیں کہ یہ ناروا ہے
عیوبِ سخن میں اسے بھی لکھا ہے
دلِ قافیہ میں کہیں بے کلی ہے
یہ ایطا بتا دے خفی یا جلی ہے
خوارج کہوں گی روافض بنے گا
مگر کیسے عیبِ تناقض بنے گا
رہِ شعر میں جو زمانہ پڑا ہے
وہیں پر تخالف بھی تن کر کھڑا ہے
ترا حال مجھ بن یوں بے حال ہے کیا
مگر مجھ کو بتلا یہ اخلال ہے کیا
میں کب کہہ رہی ہوں سبھی کچھ بتا دے
مگر ابتذالِ سخن تو سکھا دے
عجب اس میں کچھ کچھ لکھا ہے ستم گر
یہ تعقید اب کیا بلا ہے ستم گر
مجھے کب تلک اس طرح چیخنا ہے
ستم گر تنزل بھی اب سیکھنا ہے
عیوبِ سخن میں یہ تحریر کیا ہے
مجھے یہ بتانا کہ تاخیر کیا ہے
یہ عیبوں کا جنجال کاہے پڑا ہے
یہاں حشو بھی ہاتھ باندھے کھڑا ہے
عدو کو بھلا یار کہنے کا مطلب
سخن میں یہ تکرار کہنے کا مطلب

اگر شام پر شام آ کے ڈھلے گی
تو پھر اس میں تکرار کیسے چلے گی
اگرچہ بہت شاعروں سے بھلی ہوں
مگر میں تکلف سمجھنے چلی ہوں
عجب ہیں سخن میں لطافت کی باتیں
سمجھنی ہیں مجھ کو غرابت کی باتیں
جہاں اتنے عیبوں نے پل پل گھمایا
وہیں آ کے تخلیع نے بھی پھنسایا
محبت میں تخفیف کر دے نمایاں
مگر ضعفِ تالیف کر دے نمایاں
پڑھے عیب تو سامنے اس کو پایا
مگر یہ تتابع سمجھ میں نہ آیا
کبھی تجھ سے میں عشق کا عین پوچھوں
مگر اجتماعِ ردیفین پوچھوں
میں جو کچھ نہ سیکھی سکھانا پڑے گا
مجھے جزرِ حرفی بتانا پڑے گا
یہاں شعر کا اک نرالا جہاں ہے
شتر کے برابر ہی گربہ عیاں ہے
تو اُلفت کے اطوار سارے بتا دے
افاعیلِ بحرِ محبت سکھا دے
مگر بحرِ عشق و مروت عجب ہے
سنا ہے یہ میں نے بہت پر غضب ہے
بحورِ سخن بھی سمجھتی رہوں گی
زمانے سے آگے نکلتی رہوں گی
جہانِ سخن یوں بسایا ہے تو نے
کئی طالبوں کو سکھایا ہے تو نے
محبت کی آنکھوں میں سپنے سجا دے
وہ کہتی ہے مجھ کو عروضی بنا دے
میں کہتا ہوں جاناں مری پھل جڑی تو
مری گل بدن ہے مری شاعری تو
سمجھ لے یہ حسرت بھی کب تک رہے گی
مری دسترس تیرے لب تک رہے گی
مئے وصل سے چال بھاری کریں گے
محبت کی تقطیع ساری کریں گے

سبب ہے وتد ہے یہیں فاصلہ ہے
نظامِ عروضی کا یہ سلسلہ ہے
دو حرفی خفیف و ثقیل اور مافوق
وتد ہے سہ حرفی یہ مجموع و مفروق
جو ہے چار حرفی تو صغریٰ کہیں گے
مگر پانچ حرفی کو کبریٰ کہیں گے
یہ فعلن فعولن ہیں ارکان جاناں
انہیں بھی سمجھ لے مری جان جاناں
فعولن فعولن فعولن میں تو ہے
مری کشمکش میری اُلجھن میں تو ہے
فعولن میں اک حرف پھر دو ہیں پھر دو
فعولن فعولن کہیں گے اسی کو
رہا فعل تو اس کی ترکیب یہ ہے
کہ دو حرف پھر ایک ترتیب یہ ہے
مفاعیل کا بھی بتاتا ہوں تجھ کو
ابھی اس کا جلوہ دکھاتا ہوں تجھ کو
مفاعیل کا ہاتھ کس نے تھمایا
کہ بحرِ ہزج نے یہ رستہ دکھایا
ابھی تم یہ سمجھو مفاعیل ہے کیا
مثالِ سخن میں یہ تمثیل ہے کیا
زحاف اس میں کف جو لگے گا برابر
مفاعیل مکفوف ہو گا سراسر
یہ فعلن فعولن مفاعیل جاناں
ہے تیری محبت کی تکمیل جاناں
تجھے فاعلن فاعلاتن سکھاؤں
ابھی ان کو ترتیب دے کے دکھاؤں
یہاں فاعلن پر جو زیر و زبر ہے
یہ سب کچھ تمہاری وفا کا ہنر ہے
یہ پہلے دو حرفی ہے پھر ایک پھر دو
لکھیں فاعلن تو لکھیں گے اسی کو
سبب ہے وتد ہے پھر اس میں سبب ہے
یہی فاعلاتن کی رمزِ عجب ہے
اگر فعل پکڑے تو مفعول چھوڑے
مگر عشق اب کس کو مجہول چھوڑے

محبت کے در پر سسکنا ہے ہم کو
سبھی مشکلوں سے نکلنا ہے ہم کو
تجھے حرفِ علت گرانا سکھا دوں
نظر کو نظر سے ملانا سکھا دوں
الف اور واؤ کہ ہا ایک چشمی
ہے چھوٹی بڑی یا گرانے کی نرمی
ترا نام آخر پہ ملتا نہیں ہے
یہاں آخری حرف گرتا نہیں ہے
یہاں پر بکھیڑے جو کچھ اور ہوں گے
تو احزاف کے بھی کئی دور ہوں گے
یہ اچھی بھلی آنکھ کو پھوڑتا ہے
جو سالم ہوں ارکان وہ توڑتا ہے
یہیں حمد ہے نعت ہے مرثیہ ہے
کہ اصناف میں یہ سبھی آ رہا ہے
محبت ہے گرچہ قرابت نہیں ہے
یہاں تجھ کو بنتی کی حاجت نہیں ہے
یہ سالم مسدس مثمن سمجھ لے
افاعیل کی ساری اُلجھن سمجھ لے
اگر آٹھ ارکان ہیں تو مثمن
مٹا لے یہاں پر ابھی ساری الجھن
جو ارکان چھ ہیں کسی شعر میں بس
مری جاں اسے ہم کہیں گے مسدس
اگرشعر میں چار ارکان ہوں گے
مربع کا سادہ سا عنوان ہوں گے
اگر سارے ارکان پورے ہیں جاناں
تو سالم کے ارمان پورے ہیں جاناں
کہیں پہ جو ارکان چھیڑے گئے ہیں
تو مخذوف میں وہ بکھیڑے گئے ہیں
محبت تری مجھ کو مجنون سمجھے
مگر اس میں کیسے تو مخبون سمجھے
زحافِ خبن کا عمل جو ہوا ہے
تو مخبون کا لفظ اس میں ملا ہے
اگر بحرِ الفت بھی پڑھنی ہے تجھ کو
مری جاں ترے پاس رکھنی ہے تجھ کو

ہزج میں جو راتوں کا ڈر لکھ رہا ہوں
ترے نام دل کی سحر لکھ رہا ہوں
جو مر مر کے دل کو سرِ بام لاؤں
تو بحر ہزج میں ترا نام لاؤں
قمر تجھ حسیں کے برابر کیا ہے
تخیل میں تجھ کو اُجاگر کیا ہے
سمجھنی ہے تو نے جو وافر یا کامل
مجھے حسنِ وافر میں کر لے تو شامل
یہ سالم یہ مخبون و مخذوف لے جا
مرا عشق سالم ہے لکھ کر یہ دے جا
تری یاد میٹھی ہے نمکین بھی ہے
یہ تسکینِ اوسط ہے تسکین بھی ہے
جہاں بے ردّیفی نمایاں رہے گی
غزل وہ ہی غیرِ مردّف لگے گی
غزل ہے جو غیرِ مردّف مری جاں
مرا دل تمہارا ہدف ہے مری جاں
محبت کے نغمے سناؤں گا تجھ کو
عیوبِ سخن یوں سکھاؤں گا تجھ کو
جہاں شعر میں ایک جا آپ تم ہے
شتر اور گربہ میں وہ شعر گم ہے
یہ تکرار جس جا پہ حد سے بڑھے گی
تو عیب تنافر کو پیدا کرے گی
جہاں عشق میں تیسرا آ گھسے گا
شکستِ روا ناروا تو بنے گا
محبت نے مثبت نفی لکھ دیا ہے
جلی کو مٹا کر خفی لکھ دیا ہے
جہاں صفت و تنقیص باہم عیاں ہے
وہیں پر تو عیبِ تناقض رواں ہے
جہاں شعر میں کچھ گھٹایا گیا ہے
وہیں پر یہ اخلال پایا گیا ہے
اگر ابتذال سخن سے ہو بچنا
کسی کے لیے کچھ برا تم نہ لکھنا
جہاں ساز سے پہلے ہی رقص ہو گا
تو سمجھو کہ تعقید کا نقص ہو گا

کبیرہ کو گر تم صغیرہ لکھو گی
وہیں پر تنزل کی مجرم بنو گی
جہاں آخری پہلی تدبیر ہو گی
تو بابِ سخن میں یہ تاخیر ہو گی
جہاں لفظ زائد لکھے جا رہے ہیں
وہیں حشو صاحب چلے آ رہے ہیں
تکلف کے معنی بدلنے لگے ہیں
یہاں لوگ الفاظ گھڑنے لگے ہیں
جو حرفِ مکرر سجایا گیا ہے
وہ تکرار سے ہی بنایا گیا ہے
جو متروک لفظوں کا چرچا کرو گی
ستم گر غرابت کی مجرم بنو گی
نکمی سی بحروں پہ لکھنے لگو گی
تو تخلیع سے یار کیسے بچو گی
جہاں صفت و تنقیص باہم عیاں ہے
وہیں پر تو عیبِ تناقض رواں ہے
جہاں لفظ کا نقش بدلا سراسر
وہیں پر تخالف ملے گا برابر
جہاں ہندی ترکیب اردو میں لائی
وہیں ضعفِ تالیف میں جاں پھنسائی
اضافت اضافت کئے جا رہی ہے
تتابع میں ہر شعر گدلا رہی ہے
تقابل ردیفین میں اور کیا ہے
ردیفین مطلع سے ہٹ کر برا ہے
جہاں حرف گرنے سے آواز بدلے
وہیں جزرِ حرفی کے انداز بدلے
یہ بابِ عیوبِ سخن خوب وا ہے
بتا دے ابھی سے اگر کچھ بچا ہے
سکھانا بتانا مجھے کیا پتا ہے
خدا کی عطا کا مجھے آسرا ہے
ترے تن بدن میں یوں اُلفت بسا دوں
تو آ جا تجھے میں عروضی بنا دوں
وہ کہتی ہے ساحلؔ عروضی بنا دے
مجھے بھی عروضِ محبت سکھا دے

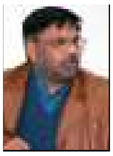

احمد فہیم میو

سنا ہے لوگ اسے Zoom کر کے دیکھتے ہیں
اگر یہ سچ ہے تو پھر Phone کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو حسین چہروں سے
سو اپنی Profile picture بدل کے دیکھتے ہیں
سنا ہے دوست ہیں اسکے بہت سے Facebook پر
تو ہم بھی Friend Request کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو Chat کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
وہ نقلی پلکیں اتارے تو ہم بھی دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کی ہر اک Photo، اک قیامت ہے
سو Photo Shop سے ہم بھی سنور کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سو Lipstick پہ یہ الزام دھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے مثل آئینہ ہے جبیں اس کی
تو ہم بھی ماتھے پہ Powder رگڑ کے دیکھتے ہیں
وہ سرو قد ہے مگر Heal پہنے رکھتی ہے
اتارے Heal تو ہم ناپ کے پھر دیکھتے ہیں
اب اس پہ اور لکھیں یا یہیں پہ بس کر دیں
فراز قبر میں روتا ہے، چلو چل کے دیکھتے ہیں

عاصم جاسر

آنکھ یہ بوجھل ہو جاتی ہے سانس کا زیر و بم جاتا ہے
منزل چاہے پاس کھڑی ہو وقت کا دھارا تھم جاتا ہے
تیز ہوا کی بات نہیں ہے بات ہے سوکھے پتوں کی
جس میں زیادہ درد چھپا ہو شور اُسی کا کم جاتا ہے
ایک ہی جیسی رات سبھی کی اپنی اپنی سب کی شام
سوچ رہا ہوں اب بھی کیسے ان زلفوں کا خم جاتا ہے
جن پلکوں کے سائے بچھا کر ڈھل جاتی تھی بکھری دھوپ
تیرا کاجل اور بہے تو خون کسی کا جم جاتا ہے
آج بھی جاسر یاد کی کرنیں آنکھوں کو چندھیاتی ہیں
شام گھنیری ہو جائے تو اُس لڑکی کا غم جاتا ہے

جوش ملیح آبادی

جَلا کے میری نظر کا پردہ، ہٹا دی رُخ سے نقاب تُونے
چراغ اُٹھا کر، مرے شبستاں میں رکھ دیا آفتاب تُونے
فلک، نظر سے تڑپ رہا ہے، زمین، عشوؤں سے ہل رہی ہے
کہاں سے پایا ہے او ستمگر! یہ مست و کافر شباب تُونے
نسیم، اوراق اُلٹ رہی ہے، نُجُوم مشعل دکھا رہے ہیں
اُفق کی سُرخی میں پیش کی ہے، سحر کی زرّیں کتاب تُونے
میں اپنے سینے میں تجھ کو رَکھ لوں، اِدھر تو آ اے سحاب رنگیں
زمیں پہ ٹپکائیں رَس کی بُوندیں، فلک پہ چھڑکی شراب تُونے
زمیں کی جانب نظر جھکائے کل ایک شاعر یہ کہہ رہا تھا
ہر ایک ذرّے کو مُسکراکر بنا دیا آفتاب تُونے
جو باخبر تھے، وہ مُسکرائے، جو بے خبر تھے، وہ کچھ نہ سمجھے
اُٹھاکے بیگانہ وار آنکھیں، کیا جو مجھ سے خطاب تُونے
ترے نثار اے نگاہِ ساقی! ترے تصوّر میں کیوں نہ جھُوموں
کہ اپنے پرتَو کو میرے دل میں بنا دیا ہے شراب تُونے
پلٹ گئیں اشک بن کے نظریں گرایا جیسے ہی تُونے پردہ
برس پڑیں سیکڑوں نگاہیں، ذرا جو اُلٹی نقاب تُونے
نہ ہوگا تجھ سا بھی لااُبالی، خدا کی رحمت ہو جوش تجھ پر
سحر کو کیا کیا ضرورتیں ہیں، کبھی نہ دیکھا یہ خواب تُونے

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
مرزا غالبؔ

مرد کی انا

(افسانہ) امجد مرزا امجدؔ

ویل چیئر پر نہایت خوبصورت عورت کو دیکھ کر اپنی کار صاف کرتے وقت میرے ہاتھ رک گئے۔اس کی ویل چیئر کو نوجوان سا لڑکا تھامے ہوئے تھا وہ میرے سامنے والے مکان پر رکے اور لڑکے نے دروازے میں چابی لگائی، میں نہ رہ سکا اور سڑک پار کر کے ان کی جانب بڑھا۔۔

’’بھئی یہ تو الیکٹرانک ویل چیئر ہے پھر بھی آپ اسے تھامے ہوئے ہیں۔‘‘ میں نے مسکرا کر لڑکے کو مخاطب کیا جو مکان کا دروازہ کھول کر ویل کو چیئر کو تھامے ہوئے تھا۔دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اچانک فضا میں جل ترنگ سی بج اٹھی...

’’جی! یہ میرا بھائی وجاہت ہے ...اکثر میری ویل چیئر کو تھامے رکھتا ہے ...اس کی یہ عادت محبت اور کیرنگ کا احساس دلاتی ہے...میں شیریں ہوں ...‘‘

’’ماشاء اللہ آپ دونوں اسم با سما ہیں ...میں ایان ہوں سامنے رہتا ہوں۔۔آپ یہاں۔۔‘‘

’’جی ہم آپ کے پڑوسی ہونے والے ہیں...بلکہ ہو گئے ہیں...‘‘ اس نے قہقہہ لگایا تو چاروں جانب پھولوں کی پتیاں سی برسنے لگیں۔میں نے ان کی فور ویل ڈرائیو سے سامان نکالنے میں مدد کی انہوں نے مکان کو اندر سے دیواریں نکلوا کر کھلا کروایا ہوا تھا تا کہ شیریں اپنی ویل چیئر پر آسانی سے گھر میں آجا سکے۔

پھر روز ہی ملاقات ہونے لگی، وہ اکیلی تھی بھائی دوسرے شہر میں ملازم تھا...میں ان دنوں اپنے نئے ناول کی تیاری کر رہا تھا۔چار سال پہلے معمولی سی بات کا بہانہ بنا کر تابندہ مجھے چھوڑ کے جا چکی تھی...وہ ایک بینک میں مینیجر کے عہدے پر فائز تھی...!!

شیریں برسٹل سے آئی تھی جہاں ایک کار کے حادثے نے ریڑھ کی ہڈی کو اتنا متاثر کیا کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی مگر اعلی تعلیم یافتہ تھی ہمت نہ ہاری۔لندن یونیورسٹی میں اچھی جاب ملی تو برسٹل کو چھوڑ آئی۔انشورنس سے کافی رقم ملی لہذا لندن مکان خرید لیا اور شفٹ ہونے سے قبل اسے اپنی ضرورت کے مطابق بنوایا...اتنی معذوری کے باوجود ایک عورت ہو کر اس کی ہمت کو دیکھ کر میں اس قدر متاثر تھا کہ ایک دن اس کا ہاتھ تھام کر اپنی محبت کا اظہار کر بیٹھا ...

وہ بھی میرے لئے دل میں اچھے جذبات رکھتی تھی...چند دن سوچ بچار کے بعد۔۔ہم نے شادی کر لی۔مگر چند شرائط تھیں جو شیریں نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ رکھیں...

’’شیریں! میں مرد ہوں یار...کچھ تو میری انا کا خیال رکھو ...‘‘

’’نہیں...ہم نے مکمل عملی طور پر سوچنا ہے اور اس پر پوری پابندی سے عمل بھی کرنا ہے ...اگر منظور ہے تو ٹھیک۔۔ورنہ ہم اچھے دوست ہیں اور دوست ہی رہیں گے ...‘‘ اس نے بڑی سنجیدگی سے فیصلہ کن لہجے میں کہا ...اس کی ہمت و بہادری اور پر اعتمادی کا بری طرح قائل تھا لہذا اس کی ہر شرط منظور تھی...

پھر اللہ نے ہمیں بہت ہی پیاری سی بیٹی سے نوازا جو بالکل اپنی ماں کی طرح خوبصورت ہم دونوں کی آنکھ کا تارا ہے۔شیریں کو میں صبح ناشتہ دے کر اس کے لنچ کا ٹفن بنا کر اسے یونیورسٹی چھوڑ آتا ہوں۔راستے بھر صدف اس کی گود میں بیٹھی چمٹی رہتی ہے۔پھر گھر آ کر دن بھر بیٹی کا خیال رکھنا ،گھر کا کام اور اپنا ناول مکمل کرنا... پانچ بجے شیریں کو واپس لانا...پھر رات بھر تینوں نے لپٹ کر سونا...!!

یہی شیریں کی شرط تھی ’’کہ میں کماؤں گی...اور تم گھر سنبھالو گے... کیونکہ چلنے پھرنے سے معذور عورت گھر کو نہیں سنبھال سکتی...جب کہ اس کے لئے نوکری آسان ہے اور تم...تم نے اپنی مردانہ انا کو ایک سکون و محبت بھری زندگی کی پٹاری میں بند کر دینا ہے...!!‘‘

وہ ٹھیک ہی کہتی ہے...مرد کی جھوٹی انا ہی ہمیشہ اس کے گھر کو برباد کر دیتی ہے ...اس تجربے سے میں پہلے گزر چکا ہوں...تابندہ مجھ سے زیادہ کماتی تھی جو میری مردانہ انا کے لئے نا قابلِ برداشت تھا...اور آخر وہ مجھے چھوڑ گئی۔۔!!

***

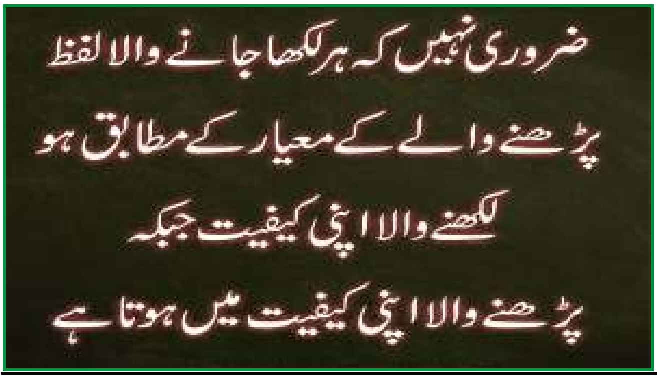

مٹی دا باوا۔ مُبشرہ ناز

پورے چاند کی رات تھی۔ میں نمازِ تہجد کے بعد صحن میں لیٹا چاند کو دیکھ رہا تھا۔ بہت سوہنا تھا رات کی چھت پر تاروں کے درمیان چمکتا چاند۔ بنانے والا کتنا سوہنا ہوگا۔ بے اختیار اُس کے بنانے والے سے ملنے کی چاہ مَن میں جاگی۔ کِتھے میں گناہ گار پر دل بڑا کملا ہوا پڑا تھا جی مسجد کے فرش پر پڑے مصلّے کی طرح اُس سے لپٹے رہنے کی چاہ میں۔ بات تو ساری چاہ کی تھی۔ پھر وہ نظر آنے لگا ہر جگہ ہر رُوپ اُسی کا تھا صرف اُسی کا۔ میرے تو دِل کی دُنیا ہی بدل گئی صاحب جی، امب کے بوٹے پر پہلا پہلا بُور آیا ہو جیویں۔ مصلّے پر چمکتے چاند کے نیچے اُس کی محبت میں پگھلتا دِل، میں جیسے نئی نویلی سہاگن تھی اور تاروں بھرا آسمان میری چُنّی۔ صاحب جی میں کملا جھلا۔

عِشق اور مشک چھپا نہیں چُھپتے۔ پھیکا مُشک سے بھرا تھا۔ وہ کسی اور ہی دُنیا کا باسی لگ رہا تھا۔ ماہِ رمضان کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ کہاں کملا تھا وہ۔ اللہ کرے سارے ایسے ہی کملے ہو جائیں۔ میں بھی پھیکے جیسا جھلا ہو جاؤں۔ سجّن پھیرا مارے اور پھیکا نہ پہچانے۔؟ وہ لاکھ سوانگ بھر کے آتا پھیکا آنکھوں پر بندھی پٹی کے ساتھ بھی اُسے ڈھونڈ لیتا سیدھا جا کر جپھا مارتا۔ اُس دِن بھی ایسا ہی ہوا۔ مسجد کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھی بوڑھی عورت کی آہ جانے کیسے پھیکے نے سُن لی۔ جوہری کی نظر رکھتا تھا آنکھ سے گرتے مٹّی میں رُلتے انمول موتی کیسے نہ پہچانتا۔؟ اُس کی آنکھ سے گرتے آنسوؤں نے پھیکے کے قدم روک لیئے۔ چہرے پر نیل تھے۔ پھیکا اُسے اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ شام ہو رہی تھی مجھے صبح اور پھیکے کا انتظار تھا۔ میں فکر مند تھا جانے کون تھی وہ۔؟ میں انتظار کرتا رہا مگر پھیکا کئی دِنوں کے بعد آیا وہ گاتا ہوا آ رہا تھا۔

"مٹّی دا باوا میں بنانی آں وے
وِچھ گا پانی آں وے اُتّے دینی آں کھیسی
نہ رو مٹّی دیا باویا وے تیرا پیو پردیسی
مٹّی دا باوا نہیں او بولدا او نہیں او چالدا وے نہیں اودیندا ایہہ ہُنگارا
نہ رو مٹّی دے باویا وے تیرا پیو بنجارا
میرے جیاں لکھ گوریاں وے گنّی ڈوریاں وے گودی بال ہنڈولے
ہنس ہنس دیندیاں لوریاں وے میرے لڑن سپولے"

اُس کی آواز میں گہرا سوز تھا۔ کسی نے بَن باس لیا تھا کوئی جُدا ہوا تھا۔ گیت کے بولوں میں محبوب سے بچھڑنے کا غم تھا۔ پھیکے کے آنے سے بیٹھک مہکا کرتی مگر آج بیٹھک میں عجیب سی اُداسی بھر گئی۔ دُلہن کے ہاتھ پر مہندی کے پھیکے رنگ جیسی اُداسی۔ کیسا سونا پن تھا دِل کہ ڈوبا جاتا تھا۔ میرے لبوں پر سوال مچل رہے تھے پوچھے جانے والے حروف تلاش کر رہے تھے۔ پھیکے کے ہونٹوں پر جوابوں کی پپڑیاں جمی تھیں۔ آنکھوں کے چناب سوکھے پڑے تھے۔ اُن میں ایک نئی داستان بین ڈال رہی تھی۔ شاید بہت دُکھی داستان تھی غٹ غٹ آنکھوں کا سارا پانی پی گئی۔ پھیکے نے ٹھنڈا سانس بھرا اور سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیر کر گویا ہوا۔ صاحب جی وہ اماں رسولاں تھی۔ پار والے پنڈ سے اپنے نشئی پُتر کو ڈھونڈتی ڈھونڈتی اِدھر آئی تھی۔ کتنے دنوں سے گھر نئیں آیا تھا بڑی بے چین تھی صاحب جی۔ ماں کو مار کوٹ کر پیسے اور چین چُرا کر بھاگ گیا۔ کبھی کہتی میرا چاند میرا پُتر خورے کِنّے دنوں سے بھوکا ہوگا۔ میرے کا کے کو ڈھونڈ دے پُتر۔ رات بہت ہوگئی سو جائیں اماں جی صبح دیکھتے ہیں مل جاؤں گا میرے کہنے پر بولی نیندر نئیں آتی کول بیٹھی ترلے مارتی رہتی ہے۔ کِنّیاں راتاں اکھاں دے وِچ لنگ گیاں۔ یہ نیندر رُٹھ پئی مَرن جوگی جانتی نہیں ماں ہوں، پُتر کا منہ متھا چومے بغیر کیسے سو سکتی ہوں۔ اماں تو جیسے کملی ہوگئی تھی صاحب جی۔ پھیکے نے ایک سسکی بھر کر کہا۔ میرے دِل کی دھڑکن ایک لمحے کو تھمی پھیکے کی اس سسکی میں کئی طوفان چُھپے تھے اماں رسولاں کی کہانی اس طوفان میں ڈوب رہی تھی جیسے اماں کے بیٹے کی نبضیں ڈوبی تھیں ملا تو سہی پر آخری سانسیں لیتا نشے کی زیادتی نے جان لے لی تھی پھیکے کے سامنے ماں کی باہوں میں دم توڑا تھا اُس نے۔

پھیکا غم کی شدت سے نِڈھال تھا تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا اماں رسولاں کی داستان آنسوؤں کی لڑی میں پرو کر لایا تھا۔ اماں نے اللہ سے مانگ کر بیٹا لیا تھا۔ پیروں فقیروں کے پاس گئی، مزاروں پر چڑھاوے چڑھا، کتنی منتیں مانیں۔ صاحب جی اماں بار بار روتی اور کہتی "اللہ سے پُتر منگتی رہی ضد ہی لگا لی تھی میں نے اللہ سے۔ میرے ساتھ کی بیاہیوں کی جھولی میں لڑکے تھے اور میری جھولی میں صرف لڑکیاں۔ میرے سینے پر سانپ لوٹتے مجھے ایک بھی کا کا نہیں دیا ربّ نے۔ میرے شکوے ختم ہی نہیں ہوتے تھے۔ میں رو رو اَنھی ہوگئی خورے کِتنے سال ربّ سے پُتر مانگتے گزار دیئے اور باقی پُتر کے عیبوں پر پردہ ڈالتے۔ اس پُتر نے مجھے ایک دن بھی سُکھ نہیں دیا اس نے میری حیاتی اُٹھا کر کچ لگی دیوار پر رکھ دی۔ بڑا اوکھا ہے کچ پر چلنا بڑی پیڑ ہوتی ہے

روح لہولہو رِستی ہے پر ممتا تھکتی ہی نہیں۔کئی راتیں اس کے دیئے نیل سِکتے گزریں۔مگر اک آہ نہیں نکالی کبھی بددعا نہیں دی۔دیکھ زرا کتنی گونگی راتیں بستر پر رکھی ہیں۔اس کا پیٹ بھرنے کو ہم ماں بیٹیوں نے اکثر بھوک کھائی۔ اس کا باپ اس کا غم لے کر دنیا سے چلا گیا۔پھیکا کیسے الم چُن لایا تھا آج لفظوں پر قیامت ٹوٹی تھی جان لینے کو ایک گونگی رات ہی کافی تھی اتاں کے بستر پر تو ایسی کئی راتیں پڑی تھیں منتوں مرادوں سے لِیا ماں کی ان راتوں کا حساب کیسے چُکا پاؤں گا۔

صاحب جی اتاں کی بیٹیاں اتاں کے پاس تھیں۔ بھائی کے غم میں نڈھال ماں کو تسلی دیتی اُن بچیوں کی آنکھوں میں حسرت تھی ماں کے سینے سے لگنے کی حسرت،اُس میٹھی چُوری جیسی حسرت جو دیسی گھی میں صرف بھائی کے لیئے بنا کرتی۔نئی اُون بھائی کے لیئے آتی،پُرانی جرسیاں اُدھیڑ کر بچیوں کے سویٹر بُن دیئے جاتے۔پرانی اُون کے سویٹروں جیسی بوسیدہ حسرتیں بدن پر پہنے بھائی کے لاڈ اُٹھاتے اُٹھاتے وہ بڑی ہو گئیں۔اور پھر مٹّی دا باوا چلا گیا ماں کا کھڈونا چلا گیا۔صاحب جی وہ جس کو چاہتا ہے بیٹاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دے دیتا ہے یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔پھر ہم اُس سے ضد کیوں لگا لیتے ہیں۔رَبّ کی رضا میں راضی کیوں نہیں رہتے۔؟

پھیکے کی بات نے مُجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔اُسے اللہ نے بھیجا تھا۔میں بھی تو کئی دنوں سے پوتے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ہمارے گھر خوشی آنے والی تھی پہلا پوتا ہونا چاہیئے۔حویلی کا جانشین۔ پھیکے نے دُعاؤں کا رُخ بدل دیا تھا۔ میں رَبّ سے شرمندہ دِل ہی دِل میں نیک اور صالح اولاد کی دُعا مانگنے لگا۔ بیٹھک کی جالیوں سے پرے بہو کے آنسوؤں کی نمی یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔پھیکا چلا گیا اُس کے بول اب تک میرے دِل کو چیر رہے تھے۔"مٹّی دا باوا میں بنانی آں وے، وے جھگا پانی آں وے اُتّے دینی آں کھیسی میرے جیاں لکھ گوریاں وے کئی ڈوریاں وے گودی بال ہنڈولے ہنس ہنس دیندیاں لوریاں وے میرے لٹرن سپولے سے لگنے کی حسرت، اُس میٹھی چُوری جیسی حسرت جو دیسی گھی میں صرف بھائی کے لیئے بنا کرتی۔نئی اُون بھائی کے لیئے آتی، پُرانی جرسیاں اُدھیڑ کر بچیوں کے سویٹر بُن دیئے جاتے۔پرانی اُون کے سویٹروں جیسی بوسیدہ حسرتیں بدن پر پہنے بھائی کے لاڈ اُٹھاتے اُٹھاتے وہ بڑی ہو گئیں۔اور پھر مٹّی دا باوا چلا گیا ماں کا کھڈونا چلا گیا۔

صاحب جی وہ جس کو چاہتا ہے بیٹاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دے دیتا ہے یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔پھر ہم اُس سے ضد کیوں لگا لیتے ہیں۔رَبّ کی رضا میں راضی کیوں نہیں رہتے۔؟ پھیکے کی بات نے مُجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔اُسے اللہ نے بھیجا تھا۔میں بھی تو کئی دنوں سے پوتے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ہمارے گھر خوشی آنے والی تھی پہلا پوتا ہونا چاہیئے۔حویلی کا جانشین۔ پھیکے نے دُعاؤں کا رُخ بدل دیا تھا۔میں رَبّ سے شرمندہ دِل ہی دِل میں نیک اور صالح اولاد کی دُعا مانگنے لگا۔بیٹھک کی جالیوں سے پرے بہو کے آنسوؤں کی نمی یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔پھیکا چلا گیا اُس کے بول اب تک میرے دِل کو چیر رہے تھے۔"مٹّی دا باوا میں بنانی آں وے، وے جھگا پانی آں وے اُتّے دینی آں کھیسی۔

میرے جیاں لکھ گوریاں وے کئی ڈوریاں وے گودی بال ہنڈولے
ہنس ہنس دیندیاں لوریاں وے میرے لٹرن سپولے

شاہ فیصل آف سعودیہ کا قتل

بڑھا بھی لیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لئے

1973 میں بھٹو صاحب کے دور حکومت میں لاہور پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرس کا انعقاد ہوا۔جس میں عالم اسلام کے جملہ سربراہان تشریف لائے۔جس میں عالم اسلام کے اہم مسائل پر بحث وتمحیث ہوئی۔اسی اجلاس میں شاہ فیصل کو خلیفہ اسلام بنانے کا بھی پروگرام بنایا گیا۔جس کے بعد 1974 میں پاکستان بھر میں اینٹی احمدیہ خونی تحریک شروع کی گئی۔جس میں بہت سارے احمدیوں کو شہید کر دیا گیا، جائدادیں لوٹی گئیں،مکان جلائے گئے۔بہت سے احمدیوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ملک بھر میں باقاعدہ ایک منظم طور پر چلنے والی تحریک کے نتیجہ میں احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا۔لیکن تقدیر الٰہی دیکھیں اسی سال میں عین عید کے دن شاہ فیصل صاحب کے ایک اپنے ہی ایک بھتیجے نے کسی ذاتی رنجش کی بنا پر انہیں گولی مار کر قتل کر دیا۔اتفاق سے اس سے اگلے روز جامعہ احمدیہ میں سالانہ تقسیم انعامات کی تقریب تھی۔یہ تقریب حسب روایت ہر سال منعقد کی جاتی ہے۔جس میں موقع کی مناسبت سے چراغاں بھی کیا گیا تھا۔اگلے روز کی اخبارات میں یہ خبر اخبارات کی زینت بنی کہ شاہ فیصل کی شہادت پر احمدیوں نے اظہار مسرت کیلئے ربوہ میں چراغاں کیا گیا۔

بڑھا بھی لیتے کچھ زیب داستان کیلئے۔ ***

قندیل شعروسخن لندن کے زیر انتظام آن لائن مشاعرہ

رپورٹ:
عبدالحمید حمیدی کینیڈا

مورخہ 19 اگست کو قندیل شعروسخن لندن کے زیر انتظام آن لائن مشاعرہ کا اہتمام زیر صدارت محترم زاہد شمسی صاحب ہوا۔محترم رانا عبدالرزاق خاں عاصی صحرائی نے نظامت کے فرائض انجام دیئے مشاعرے کے آغاز میں نعت خوش الحانی سے پیش کی۔

محترم اسحاق عاجز صاحب:

دیار نبی میں میرا لوٹ آنا ہے مجھ پر خدا کا یہ احسان آقا
میری خوش نصیبی کہ میں پھر سے آیا ہوئے دل کے پورے ہیں ارمان آقا

نیل احمد صاحبہ کراچی:

یہ جو دروازوں کی آہٹ سے کھڑے ہوتے ہیں کان
خوف کی دیوار میں چھپ کر بڑے ہوتے ہیں کان
میں جو کہتی ہوں یہ اس سے بڑھ کر سن لیتے ہیں بات
جیسے منہ اور آنکھ میں بھی دو جڑے ہوتے ہیں کان

ابھرتے ہوئے شاعر ڈاکٹر طارق انور باجوہ:

آئینہ جوبھی ملا گھر میں،شکستہ نکلا آئی مورت جو نظر اپنی وہ ہنستا نکلا
ہم تو دم بھر کو چلے آئے تھے ساتھ اسکو لئے ہم جہاں پہنچے وہ مے خانے کا رستہ نکلا

ڈاکٹر الیاس عاجز سیالکوٹ پاکستان:

مجھ کو دل سے بھی چاہتے ہیں آپ ہاتھ انکا بھی تھامتے ہیں آپ
ساتھ مرنے کی بھی قسم کھائی پیچھے پھر انکے بھاگتے ہیں آپ

فرقان فیضی صاحب کی نیپالی میں خوربصورت شاعری:

مخالفوں کی سازش میں لگ گیا ہے وہ
میرے خلاف ہی سازش میں لگ گیا ہے وہ
دعا کرو کہ اسے کامیابی مل جائے
مجھے بھلانے کی کوشش میں لگ گیا ہے وہ

مبشر شہزاد صاحب گلاسکو:

اجازت ہو تو میں بھی داستاں اپنی بیان کرلوں
بھری محفل کو شعرو شاعری سے رازداں کرلوں
کر رہا ہے یہ مبشر تجھ سے اے مالک یہ دعا
مشرق وسطی میں نکلے امن کا اب راستہ

فدا فاطم صاحب پاکستان:

اس سے بڑھ کر شنیدلیں گے کیا بے وفا سے امید لیں گے کیا
اپنی غربت مٹانے کی خاطر جھولی بھر کر مزید لیں گے کیا

پروفیسر عبدالقدیر کوکب صاحب کا بے باک انداز ملاحظہ ہو:

محبت ہے ظاہر ہراس کی ادا سے کسی بات پر آزمایا تو کیا ہے
مجھے بھی اس سے محبت ہے بے شک قدم اس نے آگے بڑھایا تو کیا ہے

شائق نصیر پوری نے اپنے درد کا اظہار کچھ ایسے کیا:

درد کی شاخ سے خوشبو کو چرانے والے
آگئے باغ میں یہ کیسے گھرانے والے
زندگی تم نے ہی ہم ایسوں کو برباد کیا
زندگی ہم تھے تیرے ناز اٹھانے والے

عائشہ چاند صاحبہ:ایک مجموعہ کلام کی خالق۔میسور انڈیا سے شامل ہوئیں۔"دو گز زمین"انکے مجموعے کا نام جو کہ 700 صفحات پر مشتمل ہے۔

شیشہ مزاج لوگ بھی پتھر نکل گئے جو پھول تھے گلاب وہ خنجر نکل گئے
دو چار دن غریبی کے آثار کیا ہوئے احباب میرے سائے سے بچ کر نکل گئے

پاکستان سے ابن کریم نے اپنی خوبصورت نعت پیش کی۔

ہم صلے علی پڑھتے چلے سوئے مدینہ
پھر کچھ نہ جچا آنکھوں میں جز رُوئے مدینہ
کرتی ہیں دل و جاں کو معطر وہ فضائیں
بخشے ہے جلد رُوح کو خوشبو ئے مدینہ

رانا عبدالرزاق خاں عاصی نے بھی اپنی سوچ کے انداز کو الفاظ کا جامہ اس طرح پہنایا۔

شیشے پڑے ہوئے تھے پتھر کی سوچ میں
پتھر ہے کوہ زار کے اندر کی سوچ میں
چلتی ہوئی ہیں کشتیاں منزل کی راہ پر
ساحل بھی ہے خموش سمندر کی سوچ میں

بشارت ریحان صاحب کینیڈا سے خوبصورت کلام پیش کرتے ہوئے۔

روشنی خوشبو کا اور رنگوں کا ہے سماں
کون ہوگا آپ سا خوش پیرہن اے جان من
جب بھی آپ آئے سر سخن چمن اے جان من
مسکرائے دیکھ کر سر و سمن اے جان من

اثر اکبرآبادی آگرہ سے تعلق رکھتے ہیں اورکینیڈا میں مقیم ہیں۔

جو چراغوں سے دغا کرتی ہے   وقت کی تیز ہوا کرتی ہے
وہ میری بات کہاں سنتے ہیں   ان کی دیوار سنا کرتی ہے

خاکسار عبدالحمیدی حمیدی کواپنی غزل سنانے کا موقع ملا۔حاضرین نے داددی۔

مل کے بچھڑے ہیں ابھی نیند کہاں آئے گی
زخم تازہ ہیں ابھی نیند کہاں آئے گی
دل ہے مانوس بہت رات کی سیاہی سے
چاند نکلا ہے ابھی نیند کہاں آئے گی

پروفیسر شاہینہ کشور صاحبہ کے دو مجموعہ کلام آچکے ہیں۔''محبت آخری دکھ ہے''اور ''آسمان مٹی کا''۔انکاخوبصورت کلام اس طرح تھا۔

آتش مزاج لوگ ہیں کیسے ملیں اسے   مل جائے بھی تو کہاں پر رکھیں اسے
وہ آدمی سے دیوتا ہوجائے گا جناب   ہم ایسے خوش سخن بھی جو اچھے لگیں اسے

ڈاکٹر اسحاق ساجد صاحب:

4 مجموعہ کلام کے خالق اور ادبی شمارے''سمندر''کے مدیر ہیں جو کہ گیتوں کے شہزادے ہیں انہوں نے ترنم سے گیت سنایا اور سماباندھ دیا۔

ہم پر دیسی تم پر دیسی اس دنیا میں رہنے والا کوئی نہیں کوئی نہیں
دکھ بھی اپنا سکھ بھی اپناسب اپنے ہیں سب اپنے ہیں یار پرایا کوئی نہیں
آبادی سی ویرانی ہے ویرانی سی اک محفل
نام کیا ہے اس نئی گلی کا پوچھ رہا ہے بے کل دل

ڈاکٹر منور احمد کنڈے: بہت اچھے شاعر ہیں ان کا کلام ملاحظہ ہو۔

پہلے ایک سخن ور نے یہ موضوع خوب اُٹھایا ہے
ایک خبر اخبار میں دیکھی مجھ کو بھی یاد آیا ہے
یہ جملہ جو صدا سے گونجا دیس کے سب اخباروں میں
جاری ہے مفہوم اسی کا سب افلاس کے ماروں میں

جیا قریشی صاحبہ پاکستان سے شامل ہوئیں۔

موضوع سخن ہوا آج چاند ستارہ   رحمت ہے خدا کی کے ملا چاند ستارہ
پرچم سے ہوئے سبز بہاروں کے مناظر   ہر ایک جی میں سجا چاند ستارہ

سارہ محبوب پاکستان: سے شامل ہوئیں اور بہت خوبصورت کلام کی حامل شاعرہ ہیں۔حلقہ احباب ذوق سے وابستہ ہیں۔

آئینے کا سوال کیسے کھلے   مجھ پر اپنا جمال کیسے کھلے
لوگ تو اور بھی بہت ہیں   کوئی اس کی مثال کیسے کھلے
خود کلامی شعار ہے میرا   سب پہ اب میرا حال کیسے کھلے

یاسمین بخاری صاحبہ: ان کے والد محترم حضرت قائد آعظم کے معالج خاص تھے۔آپ نامور مصورہ ہیں۔ایک بہت ہی عظیم ادبی گھرانے سے تعلق ہے۔خوبصورت کلام اور خوبصورت انداز بیان سے سب کے دل موہ لئے۔

لہو کی آنچ میں وہم وگماں جلاتی ہوں
ترے یقین کی لو ایسے آزماتی ہوں
تیری جدائی کا طعنہ نہ دے سکے دنیا
میں جب بھی رونے لگوں کھل کے مسکراتی ہوں
سمٹتی ہوں میں روز کرچی کرچی بدن
میں آئینے کی طرح روز ٹوٹ جاتی ہوں

دلشاد نسیم صاحبہ: بہت دلکش انداز ہے انکی شاعری کا۔

ابھی تو پڑھنی ہیں کچھ آیات محبت کی   تمہارے گرد وفا کا رحصار کرنا ہے
میں ایک دو ملاقاتوں میں دل نہیں دوں گی   اسے تڑپنا اسے بیقرار کرنا ہے
غم دوراں تو استخارہ کر   بے وجہ تو سفر نہیں کرتے
کوئی مجبوریاں بھی دیکھا کر   یوں الزام دھرا نہیں کرتے

آخر میں صاحب صدر زاہد شمسی صاحب نے ایسا کلام پیش کیا۔

رانا صاحب نے صاحب صدر کا نہایت مختصر تعارف پیش کیا۔17 کتابوں کے خالق۔3 کتابیں زیر طباعت ہیں۔بے شمار ٹی۔وی پروگراموں کی میزبانی کر چکے ہیں۔ان کی شاعری پر مقالے بھی لکھے جا چکے ہیں۔نہایت خوبصورت کلام کے حامل شمسی صاحب کا کلاملاحظہ ہو۔

محبت روشنی ہے روشنی تقسیم کرتے ہیں   زمانے بھر میں آؤ زندگی تقسیم کرتے ہیں
سنا ہے شاعری زاہد دلوں کو موم کرتی ہے   توہم پتھر دلوں میں شاعری تقسیم کرتے ہیں
خمار وصل سے مہکا ہوا تھا   ستارہ رات کا جاگا ہوا تھا
یہاں پر راستہ لکھنا منع ہے   کسی دیوار پر لکھا ہوا تھا

آخر میں رانا صاحب نے تمام شعرائے کرام اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور یہ خوبصورت محفل کا اختتام ہوا۔

***

آج کی بات

عرفان احمد خان فرینکفرٹ جرمنی

اقوام متحدہ کی طرف سے دس دسمبر کوانسانی حقوق اور مذہبی آزادی کا دن قرار دیا گیا ہے۔اس دن کی اہمیت کے پیش نظر نوبل کمیٹی امن کا نوبل انعام بھی دس دسمبر کے روز ہی دیا کرتی ہے۔ امسال کووڈ 19 کی وجہ سے نوبل انعامات کی تقاریب سویڈن اور اوسلو میں منعقدنہیں ہوسکیں۔ انسانی حقوق کے اس عالمی دن کے حوالے سے پوری دنیا میں سیمینار اورتقاریب کا سلسلہ دس دسمبر سے پہلے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ پاکستان میں اس حوالے سے ایک آن لائن کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی ہے۔جس کا اہتمام ادارہ برائے سماجی انصاف (CSJ)اور پیپلز کمیٹی برائے اقلیتی حقوق (PCMR) کے زیراہتمام جبری تبدیلی مذہب اوراقلیتوں کے تحفظ کےحوالے سےمنعقد ہوء ہے۔جس سےاقلیتی کمیونیٹیز کے سرکردہ افراد نے خطاب کیا۔جن میں بشپ الیگزینڈر جان، پیٹر جیکب، مہتا کیلاش بھی شامل تھے۔ پاکستان انسانی حقوق کی چیئر پرسن حنا جیلانی نے صدارت کی جبکہ عاصمہ جہانگیر کی صاحبزادی منیزا جہانگیر نے نظامت کے فرائض سرانجام دیے۔مقررین کا کہنا تھا کہ شہری آزادیوں کے سلب ہونے سے ہونے سے سب سے زیادہ برے حالات کا سامنا اقلیتوں کو کرنا پڑتا ہے۔ مذہبی آزادی کو اہمیت دینے سے نہ صرف انسانی حقوق کا احترام بڑھتا ہے بلکہ اقلیتوں کے لئے انصاف کرامکان روشن رہتے ہیں۔ لہٰذا ہرقسم کے تشدد اور ظلم کے خاتمہ کے لئے حکومت پاکستان کواقلیتوں کے حقوق کےتحفظ کے لئے اپنی ذمہ داری پوری کرنا ہوگی۔کانفرنس کی قرارداد کووزیراعظم پاکستان سے اپیل کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔جس میں اقلیتوں کو جبراًمذہب کی تبدیلی سے تحفظ کے لئے اور ملک میں تمام شہریوں کو مذہبی عبادات کی آزادی حاصل ہونے کے لئے سات نکات پر مشتمل سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ یہ صرف اقلیتی فرقوں کے افراد کی آواز ہی نہیں بلکہ ملک کی خاموش اورشرفاء پر مشتمل بہت بڑی اکثریت ملک میں ایسا ہی دیکھنا چاہتی ہے۔ ریاست اگراس خاموش آواز کی خواہش کا احترام کرے تو اس میں پورے پاکستان کا بھلا ہے۔اسی دن کی مناسبت سے United States Commission on international religious Freedom(USCIRRF) نے رپورٹ جاری کی ہے اس میں جن ممالک میں مذہبی آزادی کے حوالے سے پریشان کن صورت حال پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے ان میں پاکستان، ایران، روس، بھارت، مصر، انڈونیشیا اور نائجیریا شامل ہیں۔ ان ممالک میں ہونے والے 732 واقعات میں سے 764 پرحکومتوں نے بےبسی کا مظاہرہ کیا۔ رپورٹ جاری کرتے وقت ان ممالک سے گواہوں کا پینل بھی موجود تھا جس نے واقعات سے متعلق پوچھے جانے سوالات کے تفصیل سی جواب دیئے۔ پاکستان سے واقعاتی شہادتوں کے لئے گورنرسلمان تاثیر کے بیٹے شان تاثیراور امجدمحمود خان جو Los Angles میں وکالت کرتے ہیں موجود تھے۔ دنیا مذہبی آزادی کے حق کوتسلیم کرنے کی طرف راغب ہےلیکن بدقسمتی سے پاکستان میں شدت پسندانہ ماحول کوفروغ دینے میں انتہاء پسند تنظیموں کے علاوہ حکومتی مشینری بھی ملوث ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق وزیراعظم پاکستان کی خواہش پر یتیم خانہ چوک بس اسٹاپ کا نام بدل کرختم نبوت چوک رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ سوال نہیں کہ نام میں کیا رکھا ہے بلکہ ایسے حکومتی اقدامات سے انتہا پسندوں کو مزید حوصلہ ملتا ہے۔ اور وہ مذہبی اقلیتوں کو دبانے کی کاروائیوں میں مزید بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح اقوام متحدہ کے منشور نے ہر انسان کو مذہبی آزادی کے جس حق کوتسلیم کیا ہے اس پر زد پڑتی ہے۔ اگر حکومت پاکستان کا روّیہ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق ہوتا تو لاہور میں اقلیتی کمیونٹی کوکانفرنس منعقد کرکے ایسی تقاریر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی جن کا ہرفقرہ ریاست کواپنی طرف متوجہ کررہاہے۔ ریاست مدینہ کی طرز پر مذہبی آزادی ابھی تک پاکستان میں محض خواب ہے جس کو حقیقت میں ڈھالنا تحریک انصاف کی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

***

نیا سال مبارک

شہزادہ قمر الدین مبشر

کہتے ہیں سبھی رنگ نیا سال مبارک
خوشیوں کا ہے ترنگ نیا سال مبارک

اک رات میں لگتا ہے کہ بدلا ہے زمانہ
ہے سب کا نیا ڈھنگ نیا سال مبارک

ہوں پھر سے در دل کے سبھی نقش منور
ہر دل سے مٹے زنگ نیا سال مبارک

لمحات میں نفرت کا کوئی رنگ نہ جھلکے
الفت کا ہو آہنگ نیا سال مبارک

بدلے گا رفتو یہ سماں دیکھتے رہنا
ہے وقت کا نیرنگ نیا سال مبارک

انسان کا دل جیت لے گر دوسرا انساں
رہ جائے فلک دنگ نیا سال مبارک

رنجش نہ کدورت ہو مبشر کو کسی سے
سب ختم کریں جنگ نیا سال مبارک

❁

جاپانیوں کی فطرت پسندی مثالی ہے

طارق محمود مرزا، آسٹریلیا

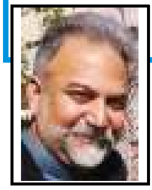

ہم ٹوکیو کے کین مین نامی پارک میں پہنچے تو اس وقت ہر جانب سنہری دُھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ صبح کی خنکی میں یہ دھوپ بہت بھلی محسوس ہوتی تھی۔ ہم پارک کی وُسعت اور دلکشی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جاپانیوں نے گنجان آباد ٹوکیو کے انتہائی گراں علاقے میں جہاں زمین کا ایک ایک انچ انتہائی قیمتی ہے اتنا بڑا پارک بنا رکھا تھا۔ پھر خیال آیا کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ منظم اور عوام دوست قوم ہے۔ انہوں نے زمین کی قلت کے باوجود عوام کی صحت اور ماحول کی پاکیزگی کے لئے اس بنیادی ضرورت سے صرفِ نظر نہیں کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جہاں پارک موجود اور آباد ہوتے ہیں وہاں کے ہسپتال ویران ہوتے ہیں۔ اور جہاں پارک کم یاب یا غیر آباد ہوتے ہیں وہاں کے ہسپتال مریضوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہ پارک کئی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بچوں اور بڑوں کی تفریح اور کھیل کود کے تمام لوازمات موجود ہیں۔ یہاں بچوں کے لئے بے شمار جھولے اور کھیل کے میدان ہیں۔ اس کے ساتھ بڑوں کی تسکینِ طبع کے لئے مختلف تفریحی اور ورزشی مشینیں اور میدان موجود ہیں۔ پارک میں جاپان کے روایتی پرندوں اور دوسرے جانوروں پر مشتمل چھوٹا سا چڑیا گھر بھی ہے۔ پارک میں پیدل چلنے والوں اور سائیکل سواروں کے الگ الگ ٹریک موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ٹریک نابینا افراد کے لئے بھی ہے۔ اس ٹریک پر گول ٹکیاں سی اُبھری ہوتی ہیں۔ ان ٹکیوں کے اوپر نابینا افراد بے فکر ہو کر چل سکتے ہیں۔ یہ سہولت ٹوکیو کی عام سڑکوں پر بھی موجود ہے۔

ٹوکیو کی سڑکوں کی ایک اور خاص بات کا ذکر کرتا چلوں۔ جگہ کی قلت کے باوجود ان کے فٹ پاتھ بہت چوڑے ہیں۔ ان فٹ پاتھوں پر سائیکل سواروں اور راہ گیروں کے لئے الگ الگ ٹریک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپان میں سائیکل سواری کا رواج بہت عام ہے۔ گھر میں جتنے افراد ہوتے ہیں اتنی ہی سائیکلیں ہوتی ہیں۔ جاپانیوں کی اکثریت مقامی ٹرین اسٹیشن اور شاپنگ سنٹر جانے کے لئے گاڑی کی بجائے سائیکل کا استعمال کرتی ہے۔ ان میں مردوں اور عورتوں کی تخصیص نہیں ہے۔ میں نے اسّی نوے برس کی بوڑھی عورتوں کو بھی سائیکل چلاتے دیکھا ہے۔ وہ اپنے چھوٹے موٹے کام سائیکل کے ذریعے نمٹاتی ہیں۔ سائیکل کے آگے ایک ٹوکری لگی ہوتی ہے۔ جس میں سبزی، پھل اور ڈبل روٹی وغیرہ لے کر وہ گھر جا رہے ہوتے ہیں۔ یہاں ہر جگہ سائیکلوں کے اسٹینڈ موجود ہوتے ہیں۔ ٹرین اسٹیشن پر جہاں گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے جگہ مختص ہوتی ہے وہاں سائیکلوں کے بھی بڑے بڑے سٹینڈ دکھائی دیتے ہیں۔ اس پارکنگ کا بھی کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے جو گاڑی کی پارکنگ کی نسبت بہت کم ہوتا ہے۔ سائیکل جاپان کی نسبتاً تنگ گلیوں کے لئے نہایت موزوں سواری ہے۔ سب سے زیادہ آسانی پارکنگ کی ہے۔ جاپانیوں کے چھوٹے چھوٹے گھروں میں پارکنگ کی جگہ بہت محدود ہے۔ عام گھروں میں زیادہ سے زیادہ ایک گاڑی پارک کرنے کی جگہ ہوتی ہے۔ جبکہ اس گھر کے سامنے کئی سائیکلیں کھڑی ہوتی ہیں۔ اس طرح شہر کی فضا بھی دُھوئیں اور کثافت سے پاک رہتی ہے۔ نیز سائیکل سواروں کی جسمانی مشق بھی ہو جاتی ہے۔ یہ کم خرچ اور بالا نشین سواری جاپانیوں کی روزمرہ زندگی کا جزوِ لاینفک ہے۔ جاپانیوں نے بہت ذوق وشوق سے سائیکل سواری کو اپنی زندگیوں کا حصہ اور معمول بنایا ہوا ہے۔

پارکنگ کا ذکر آیا ہے تو عرض کرتا چلوں کہ ٹوکیو کے چھوٹے گھروں میں گیراج نہیں ہوتے۔ بلکہ گھر کے سامنے کی دیوار کے ساتھ اس طرح جوڑ کر گاڑی کھڑی کی جاتی ہے کہ بائیں طرف والا دروازہ نہیں کھولا جا سکتا۔ گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ کے سامنے ایک بڑا سا آئینہ چسپاں ہوتا ہے جس میں پیچھے سے آنے والی گاڑیاں نظر آتی ہیں۔ ڈرائیور اس آئینے میں دیکھ کر اپنی گاڑی باہر نکالتا ہے۔ جاپان گاڑیوں کا گھر ہے جہاں ہر طرح کی گاڑیاں بنائی جاتی ہیں اور دنیا بھر میں بہت شوق سے خریدی جاتی ہیں۔ لیکن خود شہروں میں رہنے والے جاپانی چھوٹی گاڑیاں استعمال کرتے ہیں۔ جس کی وجہ تنگ پارکنگ، تنگ گلیاں اور ان کی سادہ طرزِ حیات ہے۔ اس کے برعکس سڈنی میں ان دنوں بڑی اور فور وِیل گاڑیوں کا عام رواج چل نکلا ہے۔ شہر کی کھلی سڑکوں پر بڑی بڑی فور ویل گاڑیاں صرف فیشن اور رواج کی وجہ سے ہیں۔ ان کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ ایسی گاڑیاں مہنگی بھی ہوتی ہیں اور ایندھن بھی زیادہ کھاتی ہیں۔ مگر جب کسی چیز کا رواج ہو جائے تو دیکھا دیکھی ہر کوئی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔ اسے کہتے ہیں بھیڑ چال۔ ٹوکیو اور سڈنی کی سڑکوں سے واپس اب ہم کین مین پارک میں چلتے ہیں۔ جہاں کھیل کے میدانوں، بچوں کے جھولوں اور چڑیا گھر سے آگے کمیونٹی سنٹر اور ان ڈور کھیلوں کے ہال اور کمرے موجود ہیں۔ وہاں سوئمنگ پول، کراٹے سنٹر، مساج سنٹر، ٹیبل ٹینس اور دیگر کھیلوں کی سہولیات موجود ہیں۔ ایک بڑے ہال میں درجنوں خواتین ایک انسٹرکٹر کی زیرِ نگرانی فوجیوں کی طرح اجتماعی جسمانی مشقوں

میں مشغول تھیں۔اس طرح اس پارک میں کھلے میں اور چھت کے نیچے دونوں قسم کی جسمانی مشقوں اور کھیلوں کی سہولتیں موجود ہیں۔کمیونٹی سنٹر کے ایک ہال میں آرام دہ صوفے رکھے تھے۔وہاں موجود وینڈگ مشین سے گرم چائے کے کپ لے کر ہم ان صوفوں پر جا بیٹھے۔اس چائے کا ذائقہ ٹرک اڈوں والی کڑک چائے کی طرح تھا۔جاپان کی یہ دودھ پتی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔چائے پی کر ہم پارک کے اگلے حصے میں گئے تو وہاں سائیکلیں کرائے پر دینے کا مرکز تھا۔یہاں سینکڑوں سائیکلیں کھڑی تھیں۔چلتے چلتے ہم ایک مصنوعی جھیل کے کنارے پہنچے۔یہ اچھی خاصی بڑی جھیل تھی۔صبح کے اس وقت جھیل کے کنارے اور پارک میں زیادہ لوگ موجود نہیں تھے۔کیونکہ یہ کام کے اوقات تھے۔معلوم ہوا کہ شام کے وقت اور چھٹی والے دن اس پارک میں بہت رونق ہوتی ہے۔ہم جس ٹریک پر چل رہے تھے اس کے دونوں اطراف میں مقررہ فاصلے پر درخت اس طرح قطار میں کھڑے تھے جیسے فوجی قطار میں کھڑے پہرہ دے رہے ہوں۔پارک کے میدانوں اور ڈھلوانوں میں گھاس اجڑی اجڑی اور زرد تھی۔اسکی وجہ موسم سرما تھا۔بہار آتے ہی جاپان کے میدان،کھیت کھلیان اور درخت سرسبز وشاداب ہوجاتے ہیں۔جاپانیوں کو سبزے، پھولوں اور درختوں سے بہت پیار ہے۔جگہ کی قلت کے باوجود انہیں باغبانی کا بہت شوق ہے۔ان کے گھروں میں جتنی جگہ دستیاب ہوتی ہے چھوٹے چھوٹے خوبصورت پودوں، پھولوں اور بیلوں سے بھری نظر آتی ہے۔عمر رسیدہ جاپانی مرد اور عورتیں ان پودوں کی دیکھ بھال میں مصروف نظر آتے ہیں۔راولپنڈی شہر کی گلیوں کے دونوں کناروں پر جہاں گندی اور غلیظ نالیاں بہتی ہیں ٹوکیو میں انہی کناروں پر پھول کھلے ہوتے ہیں۔یہ قوم یوں ہی دنیا میں ممتاز مقام نہیں رکھتی۔اس کے پیچھے بہت محنت، ایمانداری، صفائی اور نظم وضبط کارفرما ہے۔کاش اس کا عشرِ عشیر ہماری حکومتوں اور عوام تک پہنچ پاتا۔کاش ہم ان سے کچھ سیکھ پاتے۔

جاپانیوں نے ملک میں موجود قدرتی وسائل اور قدرتی حسن کو جہاں دوام بخش دیا ہے وہاں اپنے ہاتھوں سے ان خوبصورتیوں میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال میں سب سے آگے ہونے کے باوجود انہوں نے خود کو فطرت سے دور نہیں کیا ہے۔یہ پھول، یہ پودے، یہ ہرے بھرے میدان، یہ پیچ دار بیلیں، یہ سائیکل سواری، یہ سادہ خوراک، سادہ لباس اور سادہ رہن سہن انہیں فطرت سے بہت قریب رکھے ہوئے ہیں۔جس قوم کا اخلاق عمدہ، زبان شیریں اور لہجہ نرم ہے اسکے اندر کتنی حلاوت اور نرمی ہوگی۔یہی قانونِ فطرت ہے۔یہی انسانیت ہے۔یہی دنیاوی جنت ہے۔جو لوگ آغوشِ فطرت میں پناہ لیتے ہیں قدرت انہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتی ہے۔جو قومیں اور افراد فطرت سے دُور ہوتے ہیں فطرت بھی ان سے روٹھ جاتی ہے۔اس کی مثال وہ شہر اور گاؤں ہیں جہاں سے درخت اور سبزہ ختم کر کے سیمنٹ، بجری اور اینٹ کے پہاڑ کھڑے کر دیے گئے ہیں، وہاں لوگ بارشوں کو ترستے ہیں، تازہ ہوا میں سانس لینے کے لئے تڑپتے ہیں اور آسمان کی نیلاہٹ دیکھنے سے محروم ہیں۔یہ فطرت سے دُوری کی سزا ہے۔انسان جتنی بھی ترقی کر لے فطرت سے دُوری برداشت نہیں کر سکتا۔فطرت سے قربت انسان کو انسان بناتی ہے اور اِس سے دوری اسے مشین بنا دیتی ہے۔لطف اور خوبی انسان بننے میں ہے مشین بننے میں نہیں۔(یہ مضمون مصنف کی کتاب 'دُنیا رنگ رنگیلی' سے اخذ کیا گیا ہے۔)

شہزادی زیب النساء — عاصی صحرائی

کیا آپ کو معلوم ہیکہ فارسی ادب میں ایک شعر ایسا بھی موجود ہے جسکا پہلا مصرعہ ایرانی شہزادیکا اور دوسرا مصرعہ ہندوستانی شہزادی کا ہے۔کہا جاتا ہیکہ جس زمانے میں ایران اور ہندوستان میں علم ادب اپنے عروج پے تھا ایسے وقت میں ایرانی شہزادے نے ایک مصرعہ تخلیق کیا۔دُرِّ ابلَق کسے کم دیدہ موجود ابلقی موتی (ایسی سیاہ موتی جس پر سفید دھبے ہوں) کسے نے کم ہی دیکھی ہوگی۔مطلب بوجہ نایاب ہونے کے نہیں پائی جاتی اور منادی کرادی کہ جو شاعر اس پر موزوں گرہ لگائے گا تو انعام کا حق دار ہوگا ایران سے لے کر ہندوستان تک تمام شعراء نے اس پر طبع آزمائی کی لیکن کوئی مناسب گرہ نہیں لگا سکا۔یہ خبر اورنگزیب عالمگیر کی بیٹی زیب النساء کو ایسے وقت میں پہنچی جب وہ آئینے کے سامنے بیٹھی سرمہ لگا رہی تھی سرمے کی جلن کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑا وہ کاجل زدہ آنسوں ابلقی موتی کا منظر پیش کر رہا تھا زیب النساء نے فوراً گرہ لگائی۔مگر اشک بتان سرمہ آلودہ مگر محبوبہ کے سرگیں آنکھوں سے ٹپکا آنسو (ابلقی موتی ہی ہوتی ہے) ایرانی شہزادے کو جب اس کی خبر ہوئی رو ملنے کی خواہش کا اظہار کیا (مشرقی تہذیب کو ذرا ملاحظہ کرے محل میں پلنے والی شہزادی زیب النساء کس طرح اپنی پردہ نشینی کا اظہار کر رہی ہے) جواباً ایک شعر ارسال کی در سخن مخفی منم چو بوئے گل در برگِ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا یعنی میں اپنے کلام میں ایسے پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو اس کے پتوں میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ جو شخص مجھ سے ملاقات کا متمنی ہے اسے چاہیے کہ میرا کلام پڑھیں۔زیب النساء مخفی، عالمہ اور حافظہ ہونے کے ساتھ عربی اور فارسی ادب پر عبور رکھتی تھی۔ ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا شادی نہیں کی تھی۔ (ماخوذ ادبیات فارسی)

مُبارک ہو قوم کو

اجمل ملک - ایڈیٹر نوشتہ دیوار

وقت تو لگ رہا ہے پر پچھلے ایک سال میں ملنے والی چند کامیابیوں پر ایک نظر:-

پاکستانی قطر بغیر ویزے کے جا سکتے ہیں-رُوس نے 21 سال بعد دوبارہ پاکستان کے ساتھ تجارت شروع کر دی- بنگلہ دیش پاکستان سے 15 سال بعد 300 ٹن پیاز خرید رہا ہے-کرتار پور کی وجہ سے دنیا بھر میں رہنے والے 16 کروڑ سکھ پاکستان آ کر دنیا کو بتا رہے ہیں کہ پاکستان دہشتگرد نہیں بلکہ امن پسند ملک ہے-پی آئی اے 5 سال کویت اور دوسرے ممالک میں بندر رہنے کے بعد دوبارہ چلا دی گئی-کویت ایئر لائن کراچی کے لئے ہفتے میں دو بار دوبارہ چلا دی گئی-اتحاد ائیرلائن اور پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن کوڈ شیئر سکیم کے تحت 13 نومبر سے ایک ساتھ کام کر رہی ہیں-

اقوامِ متحدہ نے پاکستان کو 10 ملکوں کا صدر بنا دیا جو دنیا بھر میں درخت لگانے پر کام کریں گے اور اپنی مرضی سے فنڈز جاری کریں گے-تُرکی ملائشیاء اور پاکستان مل کر ایک TV چینل شروع کر رہے ہیں جس پر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ پر پوری دنیا کو بتایا جائے گا-سعودی عرب میں قید پاکستانیوں کو رہا کروا کر پاکستان لایا گیا باقی کے قیدیوں کو بھی لایا جا رہا ہے۔سری لنکا میں بھی قید پاکستانی کو رہا کروا کر پاکستان واپس لایا گیا ہے- پاکستان ائیر فورس نے اس سال پچھلے تمام سالوں سے زیادہ جنگی جہازوں کی ایکسپورٹ کی جس میں افریقی ممالک اور تُرکی شامل ہیں-کویت میں پاکستانیوں کے ویزوں کی بندش پر کویت حکومت کو دوبارہ پاکستانی لیبر کو ویزے جاری کرنے پر اتفاق، جس پر کویت نے نئے قوانین کی لسٹ جاری کر دی- پاکستانی وزیر اعظم دنیا کے 10 بہترین وزیر اعظم کی لسٹ میں 6 نمبر پر آ گئے جو ایشیاء کے واحد شخص ہیں- حکومت پاکستان کی کاوش پر انگلینڈ میں موجود الطاف حسین کی ملک مخالف تقاریر کو نا صرف ٹی وی بلکہ انٹرنیٹ سے بھی بین کروا دیا گیا- پرائیویٹ سکولوں کو فیس کی حد مقرر کرنے کا حکم - برٹش ائیر لائن دوبارہ پاکستان میں چلا دی گئی - بھارت کی تمام سازشوں کے باوجود FATF سے پاکستان کو بلیک لسٹ ہونے سے ترکی، ملائشیاء اور چائنہ کی مدد سے بچا لیا گیا مزید فروری 2021 تک منی لانڈرنگ نہ ہوئی تو گرے لسٹ سے وائٹ لسٹ میں آ جائے گا - جہاں آج تک لاہور اسلام آباد میں غریب بے آسرا لوگ فٹ پاتھوں پر سوتے تھے مانگ کر کھاتے تھے وہاں اب شیلٹر ہاؤس اور لنگر خانوں سے کم سے کم انکی بھوک مٹائی گئی اور کھلے آسمان تلے سونے کی بجائے حکومتی کے بنائے گئے شیلٹر ہوم میں سو رہے ہیں- ایسی کئی چیزیں ہیں جو اس ایک سال کے عرصے میں ہوئی ہیں اور انشاء اللہ اگر اسی طرح وطن عزیز کو کامیابیاں ملتی رہیں تو اس ملک کی تجارت بڑھے گی ہر شخص کو کام ملے گا اور ملک اپنے پاؤں پر دوبارہ کھڑا ہو گا-افسوس صرف اتنا ہے کہ ہم اس ٹماٹر کی قیمت پر جھگڑا کرنے میں مصروف ہیں جو آج سے 5 سال پہلے بھی جب جب سردی شروع ہوتی ہے 300 روپے فروخت ہوتا رہا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے گرمیاں شروع ہوتے ہی لیموں 400 کلو فروخت ہوا مگر وہی لیموں بعد میں 100 روپے کلو بکتا رہا... ہمیں ان چیزوں میں اُلجھا کر یہ ٹی وی والے اوپر بتائی گئی تمام باتیں دبا جاتے ہیں اور ہمیں لگتا ہے ملک تباہ ہو رہا ہے جبکہ حقیقت آپ کے سامنے ہے. اللہ ہمارے وطن کو شاد اور آباد رکھے-آمین

پنجاب اس آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گا-علامہ خادم حسین رضوی صاحب کا پورے عالم اسلام پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنے خطبات میں یہ پیغام دیا ہے کہ اسلام صرف مذہب نہیں دین بھی ہے اور یہ نافذ ہو کر پوری دنیا پر غالب ہو گا بریلوی مکتبہ فکر کی جانب سے بلند ہونے والی یہ موثر آواز انتہائی خوش آئند ہے لیکن دوسری طرف حالات سے متاثر ہو کر علامہ رضوی صاحب اہلِ تشیع حضرات پر یہ الزام عائد کرتے رہے ہیں کہ یہ دن میں تین بار اپنی اذان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلافصل کہہ کر ہمارے تین خلفائے راشدین کو گالی دیتے ہیں وہابیوں کے بارے میں علامہ صاحب کے خیالات سب کو معلوم ہیں-سعودی عرب امریکہ کے اشارے پر جو کردار ادا کر رہا ہے وہ بھی ہمارے لئے قابل تشویش ہے اور اسوقت اچانک ملک کے کچھ حلقے اسرائیل سے تعلقات استوار کرنے کا ایجنڈا لیکر میدان میں اُتر چکے ہیں اور دوسری طرف فرانس کے صدر نے اپنی احمقانہ باتوں سے ماحول میں زہر گھول دیا ہے ان تابڑ توڑ حملوں سے پاکستان کے عوام شدید بے چینی کا شکار ہو گئے ہیں اور ملک میں گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا سرتن سے جدا کے نعرے گونج رہے ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بریلوی مکتبہ فکر کا ایک طبقہ دیو بندیوں کو بھی گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتا ہے اور یہ وہی طبقہ ہے جس نے مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کو بھی گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر انکی شہادت پر مٹھائیاں تقسیم کی تھیں اور اُسوقت رضوی مشن کے نام سے سوشل میڈیا پر بغیر کسی حوالے والی ایک حدیث پھیلائی جا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت تک میرے بارے میں جو بات کرے اسے کاٹ کر رکھ

دو۔ میری نظر سے تو یہ حدیث پہلی مرتبہ گزری ہے اسوقت علامہ خادم حسین رضوی صاحب کے انتقال کے بعد ملک میں عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو ایک نئی قوت اُبھر کر سامنے آئی ہے اگر کسی شر پسند نے اس قوت کا رُخ موڑ دیا تو اسکے نتائج انتہائی بھیانک ہونگے کیونکہ ایک طبقہ علامہ رضوی صاحب کی مثبت باتوں کو چھوڑ کر مسلسل اختلافی باتوں کو پھیلا رہا ہے اسوقت بریلوی مکتبہ فکر کے جید علمائے کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آگے آئیں اور اپنا مثبت کردار ادا کریں ویسے تو اصل کردار اسلامی نظریاتی کونسل کو ادا کرنا چاہیئے لیکن ہمیں ان سے کوئی اُمید نہیں رکھنی چاہئے کیونکہ اس ادارے کا ماضی گواہ ہے کہ یہ لوگ صرف تنخواہیں اور مراعات سمیٹنے کے لیئے بیٹھے ہیں لہٰذا باشعور علماء آگے آئیں اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی کردار دنیا کے سامنے لائیں کہ جب بی بی عائشہ پر الزام لگایا جاتا ہے تب بھی میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم الزام لگانے والوں کو وہی، 80 کوڑوں کی سزا دیتا ہے جو ایک عام مسلمان پر الزام لگانے والے کو دی جاتی ہے تاکہ دنیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور انکے انصاف کے معیار کو سمجھ سکے لیکن ہم تو خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے 53 سال کی عمر میں 6 سالہ بی بی عائشہ سے نکاح کیا حالانکہ ہمارے اخبار کے چیف ایڈیٹر سید عتیق الرحمن گیلانی صاحب نے انتہائی وضاحت اور مدلل دلائل دیکر یہ ثابت کر دیا ہے کہ نکاح کے وقت بی بی عائشہ کی عمر 6 سال نہیں بلکہ 16 سال تھی اور تین سال بعد رخصتی کے وقت 9 سال نہیں بلکہ 19 سال تھی اور بی بی عائشہ کی بہن حضرت اسماء کی عمر، وفات اور بی بی عائشہ سے انکی عمر کے فرق کی تمام تفصیل سے محققین نے بھی تصدیق کی ہے کہ نکاح کے وقت بی بی عائشہ کی عمر 6 نہیں بلکہ 16 سال ہی تھی لہذا ہمیں اپنی منجی کے نیچے بھی ڈانگ پھیرنی ہوگی۔

ہماری حکمرانوں سے گذارش ہے کہ وہ فوری طور پر اسلامی نظریاتی کونسل جیسے فضول ادارے کو تحلیل کر کے PTV کے نئے چیرمین جناب نعیم بخاری صاحب کی سربراہی میں جید اور سمجھدار علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دیں جو از سر نو تمام معاملات کا جائزہ لے نعیم بخاری صاحب انتہائی کھلے ذہن کے ایک سمجھدار آدمی ہیں انہوں نے اس عزم کا اعادہ بھی کیا ہے کہ وہ PTV میں اصلاحات لا کر اسے اس قابل بنانا چاہتے ہیں کہ لوگ PTV کو دوبارہ دیکھیں لہٰذا اگر انہوں نے اس طرح کے معاملات کی اصلاح کر کے اسے PTV پر پیش کیا تو پورے پاکستان سمیت پوری دنیا کے مسلمان اس میں دلچسپی لینگے کیونکہ اسوقت ہمارا Main Stream Media تو صرف لڑوانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے جس سے عوام اب تنگ آ چکی ہے۔ آخر میں علماء و مفتیان حضرات سے درخواست ہے کہ اگر انہوں نے کوئی حل تلاش نہ کیا تو یاد رکھیں اس ملک میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک ایسی آگ بڑھکتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے جو پورے ملک اور خصوصا صوبہ پنجاب کو جلا کر بھسم کر دے گی کیونکہ اسوقت پاکستان دشمنوں کا اصل حدف پنجاب ہے۔ علماء اور مفتیان حضرات ایک اور بات سمجھ لیں کہ اس سے قبل آپ حضرات صرف لوگوں کو بھڑکانے کا کام کرتے رہے ہو اور عملی کردار زیادہ تر بغیر داڑھی والوں نے ادا کیا ہے لیکن حالات و واقعات بتا رہے ہیں کہ اس بار ایسی کوئی آگ بھڑکی تو اس سے خود علماء و مفتیان حضرات بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

سیکھیئے -- حامد حسن

صرف یہ دو چیزیں سیکھ لیں انشاء اللہ ساری عمر مزے کریں گے ڈیجیٹل مارکیٹنگ اور ایس ای او۔ یہ دونوں سکلز ایسی ہیں کہ ان کے لئے زیادہ راکٹ سائنس اور بڑے سسٹم کی ضرورت نہیں...موبائل اور ہلکے پھلکے لیپ ٹاپ پر یہ دو سکلز سیکھی جا سکتی ہیں۔ صرف 3-5 ماہ لگا کر یہ دو سکلز پروفیشنل لیول پر سیکھی جا سکتی ہیں۔ یہ دونوں سکلز سیکھنا انتہائی آسان اور دلچسپ ہیں۔ اس وقت دنیا بھر میں یہ دو سکلز موسٹ ڈیمانڈیڈ اور ٹاپ ریٹیڈ ہیں۔ ہر بزنس کی جان ڈیجیٹل مارکیٹنگ اور ایس ای او میں ہے۔ اس لئے آنے والے وقتوں میں ان دو سکلز کی ڈیمانڈ میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ فری لانسنگ میں ان دونوں سکلز کے فری لانسرز سوچ سے زیادہ بہترین انکم حاصل کر رہے ہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی ریسرچ کریں اور اس فیلڈ سے منسلک پروفیشنل لوگوں سے معلومات لیں تو شدید حیرت ہوگی کہ یہ دو سکلز اس وقت کتنا فائدہ مند اور اس فیلڈ کے لوگوں کو کتنا کما کر دے رہی ہیں۔ آپ سٹوڈنٹس ہیں یا ڈگری ہولڈر، آپ کسی بھی فیلڈ سے منسلک ہیں اگر آپ کے پاس روز کے 2،3 گھنٹے ہیں تو یہ دو سکلز بہت آسانی سے سیکھی جا سکتی ہیں۔ اگر کوئی کام سیکھنے پر زیادہ محنت نہیں کرنا چاہتے، وقت کی قلت اور معاملات میں اُلجھے ہوئے ہیں، آپ چاہتے ہیں تھوڑے وقت اور قلیل انویسٹمنٹ میں زیادہ فائدہ ہو تو یہ سکلز سیکھ لیں۔ اگر آپ کسی بھی بزنس سے منسلک ہیں، یا کوئی بھی بزنس کرنا چاہتے ہیں، آپ اپنا کوئی بھی کام آن لائن کرنا چاہتے ہیں یا فزیکل یہ دونوں سکلز آنے والے ٹائم میں بہت فائدہ مند ثابت ہوں گی۔ کوئی بھی ایک ڈیجیٹل سکلز سیکھنا آنے والے وقت میں بہت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگی اور آج کا سیکھا ہوا کل بہت کام آئے گا۔

اچھی مائیں اب کیوں نہیں؟

علیان قادری ترابی

یار بہت اچھا لکھا ہے ماں کے بارے میں...لیکن زبیر بھائی؟

گزشتہ رات حیدرآباد سے عزیز دوست نے ترابی کی 147 تحریر ''ماں کیا ہے'' پر حوصلہ افزائی کے لئے رابطہ کیا تھا۔ یار ترابی اب کی مائیں ایسی نہیں ہیں۔ بچوں کی تربیت میں کمی کے پیچھے اب کی مائیں کی بے راہ روی ہے۔جس کا خمیازہ پورے معاشرے کو بھگتنا پڑیگا ہمارا مستقبل تاریک ہے کیونکہ اب کی ماؤں کے تربیت کے چراغ بجھے ہوئے ہیں اچھا تو زبیر صاحب یہ چراغ روشن کیسے ہوگا؟ ترابی بس اب کی مائیں اچھی بن جائیں۔ یہ تو بہت مشکل ہے اس معاشرے کے ہوتے ہوئے کیونکہ ہم اچھی مائیں بنانا ہی نہیں چاہتے جناب سوچیں ہم نے کب یہ جانا کہ اچھی مائیں کیسے بنتی ہیں؟ ہم نے اچھی مائیں بنانے کی کوشش ہی کب کی؟ طنز، طعنے اور تنقید۔ساتھ ساتھ کچھ ماضی، حال اور کچھ مستقبل کی ذلت آمیز تذکروں کا ماحول میں گھری پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی باشعور لڑکیاں اچھی مائیں بننے سے پہلے ہی اپنا آپ کھو دیتی ہیں۔ایسی ہستی جس کی گود بچے کی پہلی درس گاہ قرار پائی ہے۔جن کے ذمہ نسلوں کی تربیت جیسا مشکل اور اہم کام ہے جن کی گودوں میں پرورش کے لیے گوشت پوست کے احساسات وجذبات رکھنے والے چھوٹے کمزور وجود کی شکل میں ہمارے مستقبل ڈال دیئے جاتے ہیں وہ اچھی مائیں، مائیں بننے سے پہلے، دوران اور بعد کے مرحلوں میں جذباتی نفسیاتی وذہنی طور پر اتنی گھائل ہو چکی ہوتی ہیں کہ اپنے ہونے کا احساس کھو چکی ہوتی ہیں۔

جس کی اپنی عزت نفس کچلی ہوئی ہے خود سارا وقت مجرم بنی کٹہرے میں کھڑی ہے جس کا علم وشعور سراہے جانے کے قابل نہیں ہے جس کی اپنی ذات کی پہچان گم کر دی گئی ہے جس کو خودی کیا ہے؟ کا سبق بھلا دیا گیا ہو یا بھلانے کی کوشش ہے جو خود کسی نہ کسی حوالے سے غصے اور جھنجھلاہٹ کا شکار کرنے والے ماحول میں رہتی ہے۔جس پر غیر ضروری ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔وہ ایک اچھی ماں کیسے بن سکتی ہے؟ اس کا اصل مقصد تو ہر ایک کو خوش رکھنا قرار پاتا ہے اور پھر اس ناکامی پر گھٹنوں کڑھنا اور آنسو بہانا اپنے آپ کو ناکام جان کر برا سمجھنا، گناہ گار ماننا جس کے دل میں خالق سے زیادہ مخلوق کا خوف بیٹھا ہو، جس کے لیے اللہ سے زیادہ انسانوں کی خوشی عزیز رکھنے کا مقصد اولین ہو، جس کا صحیح وغلط کا معیار انسانی رضامندی پر ہو وہ کیسے خدا خوفی رکھنے والے بے باک نڈر انسان تیار کر پائے گی۔ یہ تو اچھی مائیں بننے سے پہلے ہی سب کو خوش رکھنے کی تگ ودو میں مصروف، ڈری سہمی، مفاد پرست، چھوٹے موٹے مقاصد رکھنے والی اپنے بقا کی پستی میں گری ہوئی جنگ کرنے والی بے چاریاں بن جاتی ہیں۔افسوس کہ ایک اچھی ماں بننے سے پہلے ہمارے گھروں کے رواج و ماحول کے مطابق ایسی تربیت سے گزرتی ہیں جس کا مروجہ معیار عورت کے لیے انسان کی عزت وتکریم میں نہیں بلکہ اپنا آپ کھو دینے والی مخلوق کے طور پر اُبھرنے میں ہے۔

معاشرے میں بے باک نڈر، دیانت دار، بے غرض، بامقصد اور نظریاتی، سوچنے سمجھنے والے، بصیرت افروز لوگوں کا ایسے ہی تو قحط نہیں پڑا ہوا۔ذرا سوچئے، ارد گرد نظر ڈالئے تلاش کیجیے کہ نئی ماؤں کی جذباتی وذہنی صحت کا کیا حال ہے؟ ان کے کڑھنے اور سسکنے کے کیا اسباب ہیں؟ کون سے عوامل ہیں؟ وہ کیا چاہتی ہیں؟ اگر ہم اپنے بچوں کی ذہنی وجذباتی صحت کے حوالے سے فکر مند ہیں تو پھر ہمیں ان کو جنم دینے والی ان ہستیوں کی ذہنی اور جذباتی صحت کی پہلے فکر کرنی چاہیے جو ماں کہلاتی ہے ہمارا معاشرہ... ہمارے گھروں کی جھلک ہے...یہی ہمارے کہف سے ثابت ہے...! عورت جب ماں بن جائے تو اس سے یہ ہی تقاضا کیا جائے کہ وہ ممتا دکھائے اور پہلی درسگاہ ثابت ہوا سکے مطالعہ کو وسعت دی جائے سیکھنے سکھانے کی تسبیح اسے دی جائے۔لیکن وہ ہمارے اخلاقی منجن بھی تو ہیں افسوس کہ معیار کاش اتنا بلند ہوتا کہ میں صرف افسوس کرتا معاشرے کے اخلاقی روشوں پر جن سے گزر کے ہم شاید آج تو تھوڑا مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن مستقبل کھوکھلا کر رہے ہیں۔خدارا اخلاقی روشوں پر ہاتھ تھوڑا ہلکا رکھیں اور ماؤں کو تاریخ بنانے والے تخلیق کرنے دیں مجھے امید ہے یہی مائیں جنہیں ہم ناکارہ سمجھتے ہیں یہی اسلام کے سپاہی تیار کریں گی اسلام اور انسانیت کا عروج کل بھی ماؤں کی گود سے آبیار ہوا تھا آج بھی انسانیت کا مطلع یہیں سے پروان چڑھے گا۔علم وادب فکر وجستجو کی روشنی سے آشنا کرنے کے مشن میں کوشاں ہیں۔

***

انجام

رجل خوشاب

ہمارے بہت قریبی رشتے داروں کا تعلق گوالمنڈی سے رہا ہے۔بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ آج سے پچاس،ساٹھ سال قبل گوالمنڈی کے ایک گھرانے میں سات بھائی مل جل کر رہا کرتے تھے۔شام کے وقت جب سب بھائی کام کاج سے واپس آکر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ صحن میں کھانا کھانے کیلئے جمع ہوتے تو آس پاس پڑوس کے گھروں میں لوگ یہ نظارہ دیکھنے کیلئے اپنی چھتوں پر جمع ہوجایا کرتے۔انسات بھائیوں کے اتفاق کی وجہ سے ہی انہوں نے اپنے کاروبار کا نام اتفاق فاؤنڈری رکھا۔ان میں سب سے بڑا بھائی میاں شریف تھا جس کی زوجہ بیگم شمیم اختر تھی جس نے اپنی جوانی اور ادھیڑ عمر اپنے شوہر اور اس کے رشتے داروں کی خدمت میں گزار دی۔جب اس خاندان کا کاروبار بڑھا تو شریکوں میں رقابت شروع ہوگئی،میاں شریف کے سگے بھائی اور کزن اس کے دشمن ہوگئے لیکن بیگم شمیم اختر کی عزت اور ماں کا مقام قائم رہا۔بیگم شمیم اختر کے تین بیٹے تھے جن کی تربیت بیگم صاحبہ نے روایتی طریقے سے کی۔اپنے بیٹوں کو دنیاداری تو سکھا دی لیکن بدقسمتی سے حرام حلال میں فرق کرنا نہ سکھا پائی۔اسی طرح اپنے شوہر کی ہر طرح سے خدمت اور وفاشعاری کی تمام رسمیں تو نبھا دیں لیکن شوہر کو ناجائز کاموں سے روکنے کی ہمت نہ کرپائی۔پھر یہ خاندان سیاست میں آیا اور برق رفتاری سے اثاثے بنانا شروع ہوگیا۔رائیونڈ کے قریب جاتی عمرہ کے مقام پر سینکڑوں ایکڑ کی زمین ہتھیائی گئی اور اسے بیگم شمیم اختر کے نام کردیا۔تعلیم سے محروم بیگم شمیم اختر کو جہاں جہاں اس کا شوہر اور بیٹے انگوٹھا لگانے کا کہتے رہے،وہ چپ چاپ لگاتی رہی۔اس کے نام پر رہائشی،زرعی اور انڈسٹریل رقبے الاٹ ہوتے رہے اور وہ دن رات سجدہ شکر بجالاتی رہی کہ اللہ اس کے خاندان کو ترقی دے رہا ہے۔یہ بھول گئی کہ ایسی ترقی قارون کو بھی ملی تھی لیکن انجام ایسا ہوا کہ قرآن کے مطابق لوگ قارون کے انجام سے عبرت حاصل کرتے رہے۔پھر اللہ کے عذاب کا کوڑا حرکت میں آیا۔ایک ایک کرکے اس خاندان کے مظالم اور کرپشن کا حساب شروع ہوا۔اس کے شوہر کی وفات جلاوطنی کے دوران ہوئی اور اس کا جسد خاکی تن تنہا پی آئی اے کی فلائیٹ میں لاہور لایا گیا اور چوہدری پرویز الٰہی اور حمزہ شہباز کی موجودگی میں دفنا دیا گیا۔اس کی بہو بیگم کلثوم نواز کی وفات بھی لندن میں ہوئی اور دو پلے پلائے بیٹوں کی موجودگی کے باوجود اس کا تابوت بھی تن تنہا لندن سے لاہور لایا گیا۔اب بیگم شمیم اختر بھی اللہ کو پیاری ہوچکی اور اس کا تابوت بھی لندن سے ہی لاہور لایا گیا۔لندن میں اس کا ایک بیٹا موجود تھا جو دوسرا دو مرتبہ پنجاب کا وزیر اعلی اور تین مرتبہ پاکستان کا وزیر اعظم رہ چکا ہے،اس کے دو بیٹے اور بیگم شمیم کے دو پوتے بھی لندن میں موجود ہیں جو مبینہ طور پر اربوں ڈالرز کے اثاثہ جات کے مالک ہیں۔

بیگم شمیم کا ایک اور پوتا شہباز شریف کا بیٹا بھی لندن میں موجود ہے۔دو پوتیاں،ان کے شوہر اور ان کی اولادیں،اس کے علاوہ اس کے بیٹے کا سمدھی، بیٹے کا داماد،درجن سے زائد پڑپوتے اور پڑپوتیاں بھی لندن میں موجود ہیں لیکن افسوس کہ بیگم شمیم اختر کا تابوت بھی ان سب کو لندن میں چھوڑ کر اکیلا ہی لندن سے لاہور واپس آیا۔آپ سے اللہ کی عبادت میں کمی بیشی ہوجائے،اللہ معاف کردیتا ہے،لیکن اگر آپ دوسروں کا حق مار کر حرام مال سے اپنی اولاد کی پرورش کریں تو اس کی معافی نہیں ملتی۔کیا فائدہ ہوا اتنے بڑے خاندان کا،کیا فائدہ ہوا سینکڑوں ارب ڈالرز کے اثاثہ جات کا،جب آپ کا تابوت تنہا لندن سے روانہ ہوا اور پھر دوسروں کیلیئے عبرت کا مقام بن کر اسی مٹی میں دفن ہوجائیے کہ جہاں کے باسیوں کی خون پسینے کی کمائی سے آپ نے اپنے محل تعمیر کروائے۔بیگم شمیم اختر نے خود کرپشن نہیں کی لیکن اس نے اپنی اولاد کو کرپشن سے نہ تو روکا،نہ ہی انہیں حرام حلال میں فرق سکھایا۔ہم سب کیلیئے یہ خاندان باعث عبرت ہے۔اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو حرام مال سے بچائیں،کیونکہ اس کی کوئی معافی نہیں۔اللہ بیگم شمیم اختر کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائے لیکن اس کی کرپٹ اولاد اگر اپنے گناہوں کی معافی نہ مانگے تو اسے دنیا اور آخرت میں ہر ممکن عذاب سے دوچار کرے۔آمین!!!منقول۔

نرگس بتول علوی

اگر تم آج نہ آتے فسانے رُوٹھ جاتے تھے
مجھ سے پیاری کوئل کے ترانے رُوٹھ جاتے تھے
مجھ سے رُوٹھ جاتی تھی میری زندگی میری سانسیں
تم سے پھر منانے کے بہانے رُوٹھ جاتے تھے
کل جو اپنے گھر آتے نہ مجھے سامنے پاتے
تم سے پھر امن کے سب ٹھکانے رُوٹھ جاتے تھے
میری آغوش میں سر رکھ مجھے دو پل کو جینے دے
تیرے ہونٹوں کی راحت سے خزانے رُوٹھ جاتے تھے
وہ نرگس میری باہوں میں سمٹ کے رات بھر سویا
اگر وہ اُٹھ جاتا تو سرہانے رُوٹھ جاتے تھے

افشین شہریار۔صلاحیتوں کو اُجاگر کرو

ایک مرتبہ میں ایک چھوٹی بچی کو پڑھا رہی تھی۔ابھی اسے میرے پاس چندروز ہی ہوئے تھے۔جیسا کہ بچوں کو مانوس ہونے میں چند دن لگتے ہیں تو اس تعلق میں بھی ایسا ہی ہوا۔میں نے اسے لکھنے کے لئے کام دیا جو کہ کچھ یوں تھا کہ اسے ایک صفحے پر ریاضی کے ایک ہندسے (4) کی مشق کرنی تھی۔ وہ کام میں مکمل محوتھی اچانک میں نے دیکھا کہ وہ اٹھی اور بیگ سے ایک اور پنسل لے آئی مجھے مسکرا کر دیکھا اور اب ایک پنسل اس کے بائیں ہاتھ میں تھی اور ایک دائیں ہاتھ میں۔وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی جواب میں میرے مسکرانے سے اس کا حوصلہ بلند ہوا اور اس نے دونوں ہاتھوں میں پنسل پکڑی اور دونوں ہاتھوں سے دو خانوں میں 4 کا ہندسہ لکھنے کی کوشش کی میں اس کی حرکات کا مشاہدہ کر رہی تھی اس نے یہ تجربہ کیا اور کچھ کام اس طرح کرنے کہ بعد اس نے دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے لکھا تو گیا مگر اس کام میں صفائی اور خوبصورتی نہیں تھی۔چنانچہ تجربے کے بعد اُس نے دائیں ہاتھ سے کام مکمل کا۔پہلا تجربہ اس نے کیا کہ اس طرح کم وقت میں زیادہ کام کیا جا سکتا ہے۔یعنی اس کا ذہن مسائل کے حل تلاش کر رہا تھا پھر تجربے سے انہوں نے یہ سیکھا کہ کام کا بھر پور ہونا بھی ضروری ہے۔میں نے اسے تجربے کی آزادی دی اور تجربے سے نتیجہ حاصل کرنے دیا۔تمام اساتذہ سے گزارش ہے کہ اپنے طلباء وطالبات میں چھپی ہوئی صلاحیتوں کو تلاش کریں اور اپنے طلبا و طالبات کے مستقبل کو اہم سمجھ کر اپنا فرض ادا کریں۔

رومن سے انکار نستعلیق سے پیار

اردو زبان، ادب، تہذیب اور ثقافت کو افتادِ زمانہ سے بچانے کے لیے رومن اردو لکھنے کی حوصلہ شکنی کی جائے نستعلیق رسم الخط کو رواج دیا جائے۔ خوش قسمتی سے سارے نئے موبائل فون اور مائیکروسافٹ سمیت تمام اپلیکیشنز میں بھی اردو لکھنے کی سہولت میسر ہے۔ایئے۔خود بھی رومن اردو لکھنے سے گریز کریں اور اپنے حلقہ تعارف میں نستعلیق رسم الخط کو اختیار کرنے کی تلقین کریں۔ رومن اردو ہمیں اپنے تہذیبی ورثے سے محروم کرنے کی سازش ہے۔ جو انگریزی میڈیم طبقہ متبادل کے طور پر فروغ دے رہا ہے اور کثیر الملکی تجارتی کمپنیاں ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔اردو کو اردو رہنے دیجیے، رومن کی حوصلہ شکنی کیجیے اور قومی زبان کو رومن کے تباہ کن اثرات سے بچانے کے لیے ہمارا ساتھ دیجئے۔تحریک نفاذ اردو پاکستان کراچی کی سڑکوں پر اونٹ گاڑیوں، گدھا گاڑیوں، ہاتھ گاڑیوں، رکشوں، ٹرکوں، کاروں، بسوں اورٹراموں کے علاوہ ہوائی جہاز بھی چلتے رہے ہیں۔ یہ ہیدوسری جنگ عظیم کے دنوں کی ایک تصویر۔

یہ جنگی ہوائی جہاز بحری جہاز سے کیاڑی پورٹ پر لائے گئے تھے جہاں سےانہیں جیپ گاڑیوں سے کھینچ کر ڈرگ روڈ ایربیس لایا گیا۔یہاں ان کو مکمل اسمبل کر کے ہندوستان کے مختلف فضائی اڈوں کے لئے روانہ کیا گیا.یہ طیارے 1940 میں نارتھ امریکن ایوی ایشن نے پہلے برطانیہ کو فروخت کرنے کے لئے ڈیزائن کیے تھے، بعد میں یہ امریکی فضائیہ کا بھی حصہ بنے۔ایک انجن والے لانگ رینج فائٹر بمبار طیارے میں صرف ایک پائلٹ کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ یہ دوسری عالمی جنگ اور کوریا کی جنگ میں ایک مقبول ہوائی جہاز تھا جو چھ سو سے زائد کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ سکتا تھا۔ایسے پندرہ ہزار طیارے بنائے گئے جو جنگ عظیم کے بعد تک استعمال ہوتے رہے۔

زبان اور بولی میں فرق۔بے قصور

کسی زبان کی ذیلی شاخ کو بولی کہتے ہیں۔ایک بڑے لسانی گروہ میں یا کسی بڑے علاقے کی آبادی میں کچھ مقامی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔اس اختلاف کی وجہ سے ایک زبان بولنے والے مختلف بولیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔یہ اختلاف اس صورت میں کم ہو جاتے ہیں جب اس زبان کے بولنے والوں کو باہم میل جول کے زیادہ مواقع ملتے ہوں،لیکن اگر کسی علاقے کے رہنے والوں کو نقل وحرکت کے مواقع کم میسر آئیں تو باہمی ربط کے مواقع بھی کم دستیاب ہوں گے اور اس طرح اس علاقے میں بولیوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔بولی عام طور پر ایک بے ڈھب سی زبان ہوتی ہے جو نسبتاً چھوٹے علاقے کی عوام میں رائج ہوتی ہے۔اس کی نہ تو کوئی تنظیم ہوتی ہے اور نہ ہی ضابطے اور کوئی اصول مقرر ہوتے ہیں اس لئے اس کی کوئی گرامر بھی مرتب نہیں ہو پاتی۔بولی میں تبدیلی بڑی مشکل سے آتی ہے اور بہت دیر

میں اس تبدیلی کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بولی اور زبان کی ابتداء اور نشوونما سے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ رینال اور میکس ہولر کے مطابق: مختلف بولیاں جو متعدد ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھیں، ایک شکل میں مجتمع ہوگئیں۔''یعنی اس کا ارتقائی عمل انتشار سے اتحاد کی جانب ہے۔ اس کے برعکس ماہر لسانیات وہٹے کے مطابق: زبان پہلے وجود میں آئی اور رفتہ رفتہ بولیوں میں بٹ گئی اس طرح اس کا ارتقائی عمل اتحاد سے انتشار کی جانب ہوگیا۔ (منقول)

بانو قدسیہ کا یومِ پیدائش

ثقلین مبارک

28 نومبر 1928ء اردو کی مشہور ناول نویس، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار محترمہ بانو قدسیہ کی تاریخ پیدائش ہے۔ 1950ء میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا اور مشہور افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس اشفاق احمد سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔ بعدازاں انہوں نے اپنے شوہر کی معیت میں ادبی پرچہ داستان گو جاری کیا۔ بانو قدسیہ کا شمار اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں نا قابل ذکر، بازگشت، امر بیل اور کچھ اور نہیں، کے نام شامل ہیں۔ انہوں نے کئی ناول بھی تحریر کیے۔ ان کا ناول ''راجہ گدھ'' اپنے اسلوب کی وجہ سے اردو کے اہم ناولوں میں شمار ہوتا ہے جبکہ ان کے ناولٹس میں ایک دن، شہر بے مثال، پروا، موم کی گلیاں اور چہار چمن کے نام شامل ہیں۔ انہوں نے ٹیلی ویژن کے لیے بھی کئی یادگار ڈرامہ سیریلز تحریر کیے۔ جن کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز کا اعزاز عطا کیا ہے۔ اپنی ایک تحریر میں وہ لکھتی ہیں....میرے اردگرد Kipling کا مقولہ گھومتا رہتا ہے مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق یہ دونوں کبھی نہیں مل سکتے۔ سوچتا ہوں مل بھی کیسے سکتے ہیں؟ مشرق میں جب سورج نکلتا ہے مغرب میں عین اس وقت آغازِ شب کا منظر ہوتا ہے سورج انسان کے دن رات متعین کرنے والا ہے۔ پھر جب ایک کی رات ہو اور دوسری جگہ سورج کی کرنیں پھیلی ہوں ایک قوم سوتی ہو ایک بیدار رہتو فاصلے کم ہونے میں نہیں آتے۔

(حاصل گھاٹ سے اقتباس)

علی سردار جعفری

مشہور و معروف شاعر، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار

علی سردار جعفری اتر پردیش کے گونڈہ ضلع میں بلرامپور میں 29 نومبر 1913ء میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے لکھنؤ میں ایک مذہبی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ تعلیمی اعتبار انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا تھا.جعفری کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ آٹھ سال کی عمر میں وہ انیس کے مرثیوں میں سے 1000 اشعار روانی سے پڑھتے تھے. وہ صرف پندرہ برس کے تھے جب انہوں نے خامہ فرسائی شروع کی تھی۔ انہوں نے ادبی سفر افسانہ نگاری سے شروع کیا تھا۔ ۱۹۳۸ میں ان کا پہلا افسانوں کا مجموعہ ''منزل'' شائع ہوا تھا۔ مگر اس کے بعد انہوں نے شاعری کا رُخ کیا۔ علی سردار جعفری نے انقلابی اور حب الوطنی سے جڑی شاعری کی تھی جس کے سبب 1940 میں گرفتار ہوئے تھے۔ وہ بھارت کی کمیونسٹ پارٹی کے ایک رکن کے طور پر کام کرتے تھے اور اس کی ٹریڈ یونین کی سرگرمیوں میں مستعدی سے اپنی شاعری کے ذریعے، وہ عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے.شاعری کے علاوہ جعفری ڈرامے اور افسانہ نگاری میں بھی خاصا عبور رکھتے تھے۔ وہ ممبئی سے چھپنے والے سہ ماہی ''نیا ادب'' کے مدیر تھے۔ وہ شیکسپئر کی کچھ تحریروں کا اردو میں کامیاب ترجمہ کر چکے تھے۔ ہندی اور اردو میں حدِ فاصل کو گھٹانے کے ایک تجربے کے طور پر انہوں نے چار روایتی شعراء غالب، میر، کبیر اور میرا کے کلاموں کو ایک ہی کتاب میں یک جا کیا تھا۔ جعفری کو ان کی ادبی خدمات کی وجہ سے 1967 میں پدما شری کا قومی اعزاز دیا گیا تھا۔

علی سردار جعفری اپنی آپ بیتی کی ابتدا یوں کرتے ہیں ''مجھے انسانی ہاتھ بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی جنبش میں ترنم ہے اور خاموشی میں شاعری ان کی انگلیوں سے تخلیق کی گنگا بہتی ہے'' پھر کہتے ہیں ''میں نے ہمیشہ قلم کو ہاتھوں کا تقدس، ذہن کی عظمت اور قلب انسانی کی وسعت سمجھا ہے اور قلم کے بنائے ہوئے ہر نقش کو سجدہ کیا ہے۔ اس لئے جب قلم جھوٹ بولتا ہے یا چوری کرتا ہے تو مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے میرے ہاتھ گندے ہو گئے، میں ہر ادیب سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے قلم کا احترام کرے گا کیوں

کہ اس کے نفس کی عزت اور شرافت اسی طرح قائم رہ سکتی ہے۔'' شمالی ہند میں ہمالیہ کی تُرائی کے دامن میں ایک چھوٹی سی مسلمان ریاست بلرام پور تھی، علی سردار جعفری کا خاندان یہاں آباد تھا۔ یہ بڑا ایمان دار، مذہب کا پابند اور پرہیزگار خاندان تھا۔ محرم بڑے جوش سے مناتے تھے، مجلسیں ہوتی تھیں، علی سردار لکھتے ہیں ''میں نے اس عہد کے تمام بڑے ذاکروں کو سنا ہے اور تمام بڑے علما اور مجتہدین کے ہاتھوں کو بوسے دیئے ہیں'' یہ اس ماحول کا اثر تھا کہ پانچ چھ برس کی عمر سے وہ منبر پر بیٹھ کر سلام اور مرثیے پڑھنے لگے۔ پندرہ سولہ کی عمر میں خود مرثیے کہنے لگے، مرثیے کہنے کے ساتھ ساتھ علی سردار جعفری حدیث خوانی بھی کرتے تھے اس لئے روایات اور قرآن کی بہت سی آیات انہیں زبانی یاد ہوگئی تھیں۔ لکھتے ہیں ''ان سب کا مجموعی اثر مجھ پر یہ تھا کہ حق اور صداقت کے لئے جان کی بازی لگا دینا، انسانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔''

اس زمانے میں چند سوالات نے سردار جعفری کو بہت بے چین کیا اور پھر ان سوالات نے ان کی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ لکھتے ہیں ''مجھے اس سوال نے کبھی پریشان نہیں کیا کہ یہ دنیا کیوں ہے اور کہاں سے آئی ہے لیکن اس سوال نے ہمیشہ بے چین رکھا کہ یہ دنیا ایسی کیوں ہے؟ اس سوچ کی ابتدا میرے بچپن ہی میں ہوگئی تھی'' سردار جعفری سوچتے تھے کہ یہ غریب، محتاج، ٹوٹے پھوٹے چہروں کے لوگ، دکھی دلوں کے مالک کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں؟ ان پر مظالم کیوں ہو رہے ہیں؟ اس پر کوئی احتجاج کیوں نہیں کرتا؟ اس ذہنی کیفیت میں وہ 1933ء میں علی گڑھ پہنچے، اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی چونکہ انہوں نے ابتدائی چند سال عربی اور فارسی کی تعلیم میں گزارے تھے، پھر انگریزی اسکول میں داخلہ لیا تھا، اس لیے تعلیم کے اعتبار سے جب وہ انٹر میں تھے تو ان کے ہم عمر بی اے اور ایم اے کے طالب علم تھے۔ علی سرداری جعفری جس زمانے میں علی گڑھ پہنچے اس وقت ترقی پسند تحریک کے اوّلین نقوش بن رہے تھے اور ادب اور سیاست ایک ہو رہے تھے۔ اختر حسین رائے پوری، سبط حسن، حیات انصاری، سعادت حسن منٹو، جاں نثار اختر، آل احمد سرور سب وہاں کے طالب علم تھے بعد میں عصمت چغتائی اور جذبی بھی وہاں پہنچ گئے، مجاز سے بھی ان کی اسی زمانے میں ملاقات ہوئی تین سال وہاں گزارے تھے کہ حکومت کے خلاف طلبا کی ہڑتال میں شریک ہونے پر یونیورسٹی سے نکال دیئے گئے، کچھ دن بعد لکھنو یونیورسٹی میں پہلے ایل ایل بی میں اور پھر ایم اے (انگلش) میں داخلہ لیا، اس وقت لکھنو سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔

جنگ عظیم کے دوران ممبئی کمیونسٹ پارٹی کا مرکز بن گیا، سردار جعفری بھی پارٹی کے کل وقتی ممبر بن کر ممبئی چلے گئے اور وہاں پارٹی کے اخبار میں کام کرنے لگے۔ ترقی پسند تحریک کی سرگرمیاں بھی تیز ہوگئیں۔ ممبئی کے دوران قیام وہ دو مرتبہ گرفتار بھی ہوئے، وہیں ان کی سلطانہ سے شادی ہوئی دونوں کمیون میں رہتے تھے بڑی سادہ زندگی تھی۔ برصغیر میں ترقی پسند تحریک کے نظریئے اور اس کے اغراض و مقاصد کو پھیلانے کی مہم میں سردار جعفری کا نہایت اہم حصہ ہے، صدیق رحمان قدوائی لکھتے ہیں۔

''کمیونسٹ پارٹی سے ان کے گہرے تعلق کی بنا پر وہ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے اردو ادب میں ترقی پسند اور کمیونسٹ پارٹی کے درمیان رابطے مضبوط کیے اور پارٹی اور ادبی تحریک ایک دوسرے کے قریب آ گئیں۔'' اپنی عمر میں علی سردار جعفری نے آزادی کے خواب دیکھے اور ان کو ٹوٹتا ہوا بھی دیکھا۔ اشترا کی انقلاب کی آرزو کے ساتھ سوویت یونین کا عروج و زوال بھی دیکھا۔ ترقی پسند تحریک کا ہندوستان کے ادبی منظر نامے پر حاوی ہونا دیکھا اور پھر نظریاتی بکھراؤ کے ساتھ اس کا وہ زور بھی ٹوٹتے دیکھا۔ بقول گوپی چند نارنگ تاریخی اعتبار سے کتنے ہی نشیب و فراز آئے لیکن سردار جعفری کے کمٹمنٹ میں کمی نہیں آئی۔ ان کی شاعری کی امتیازی اقدار انسان دوستی، حریت پسندی اور وطن پرستی تھیں۔ وہ عوام کے دکھ درد کے ترجمان اور سماجی انصاف کے علم بردار تھے۔

اپنی شاعری کے بارے میں علی سردار جعفری اپنے مضمون ''میں اور میرا فن'' میں لکھتے ہیں۔ ''میں شاعری کو بنیادی طور پر گانے کی چیز یا بلند آواز سے پڑھنے اور سنانے کی چیز سمجھتا ہوں، شاعری کے جوہر اس کے بغیر نہیں کھل سکتے، لیکن اس کے باوجود شاعری کو اس قابل ہونا چاہیے کہ کاغذ کے صفحے پر چھپ سکے اور خاموشی سے پڑھی جا سکے اور صدیوں کا سفر طے کر سکے لیکن کاغذ پر پڑھنے میں بھی الفاظ کا آہنگ اور لحن، تخلیق کا صوتی تلاطم اور ترنم رُوح کو محسوس ہوتا ہے، خاموشی سے پڑھنے میں بھی انسان کے دل و دماغ لفظ کی آواز کو سنتے ہیں۔ شاعری اس حد تک مقصود بالذات ہے کہ اس کی تخلیق

میں کرب کے باوجود ایک لذت ہے اور یہ لذت شاعر کے لیے تسکین کا باعث ہے۔شاعر کا موضوع زندگی کا کرب ونشاط ہے، انسانی دکھ اور سکھ میں میری شاعری میں محنت کش ہاتھوں کی قصیدہ خوانی ہے۔''علی سردار جعفری نے اپنی شاعری کی تخلیق میں جس کرب کا ذکر کیا ہے وہ ان کے ان تین شعروں میں عیاں ہیں، یہ شاعر کا مقدر ہے اور ہر شاعر کو اس سے گزرنا پڑتا ہے۔

ابھی ابھی میری بے خوابیوں نے دیکھی ہے
فضائے شب میں ستاروں کی آخری پرواز
خبر نہیں کہ اندھیرے کے دل کی دھڑکن ہے
یا آ رہی ہے اُجالے کے پاؤں کی آواز
بتاؤں کیا تجھے نغمے کے درد کا عالم
لہو لہان ہوا جا رہا ہے سینۂ ساز

علی سردار جعفری ممبئ میں یکم اگست 2000 میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے تھے۔

منتخب کلام

کام اب کوئی نہ آئے گا بس اک دل کے سوا
راستے بند ہیں کوچۂ قاتل کے سوا
باعث رشک ہے تنہا روی رہرو شوق
ہم سفر کوئی نہیں دوریٔ منزل کے سوا
ہم نے دنیا کی ہر اک شے سے اُٹھایا دل کو
لیکن ایک شوخ کے ہنگامۂ محفل کے سوا
تیغ منصف ہو جہاں دار و رسن ہوں شاہد
بے گنہ کون ہے اس شہر میں قاتل کے سوا
جانے کس رنگ سے آئی ہے گلستاں میں بہار
کوئی نغمہ ہی نہیں شور سلاسل کے سوا

وفور شوق کی رنگیں حکایتیں مت پوچھ
لبوں کا پیار نگہ کی شکایتیں مت پوچھ
کسی نگاہ کی نس نس میں تیرتے نشتر
وہ ابتدائے محبت کی راحتیں مت پوچھ
وہ نیم شب وہ جواں حسن وہ وفور نیاز
نگاہ و دل نے جو کی ہیں عبادتیں مت پوچھ
ہجوم غم میں بھی جینا سکھا دیا ہم کو
غم جہاں کی ہیں کیا کیا عنایتیں مت پوچھ
یہ صرف ایک قیامت ہے چین کی کروٹ
دبی ہیں دل میں ہزاروں قیامتیں مت پوچھ
بس ایک حرف بغاوت زباں سے نکلا تھا
شہید ہو گئیں کتنی روایتیں مت پوچھ
اب آج قصۂ دارا و جم کا کیا ہو گا
ہمارے پاس ہیں اپنی حکایتیں مت پوچھ
نشان ہٹلری و قیصری نہیں ملتا
جو عبرتوں نے لکھی ہیں عبارتیں مت پوچھ
نشاط زیست فقط اہل غم کی ہے میراث
ملیں گی اور ابھی کتنی دولتیں مت پوچھ

میں جہاں تم کو بلاتا ہوں وہاں تک آؤ
میری نظروں سے گزر کر دل و جاں تک آؤ
پھر یہ دیکھو کہ زمانے کی ہوا کیسی ہے
ساتھ میرے مرے فردوس جواں تک آؤ
حوصلہ ہو تو اُڑو میرے تصور کی طرح
میری تخیل کے گلزار جناں تک آؤ
تیغ کی طرح چلو چھوڑ کے آغوش نیام
تیر کی طرح سے آغوش کماں تک آؤ
پھول کے گرد پھرو باغ میں مانند نسیم
مثل پروانہ کسی شمع تپاں تک آؤ
لو وہ صدیوں کے جہنم کی حدیں ختم ہوئیں
اب ہے فردوس ہی فردوس جہاں تک آؤ
چھوڑ کر وہم و گماں حسن یقیں تک پہنچو
پر یقیں سے بھی کبھی وہم و گماں تک آؤ
اسی دنیا میں دکھا دیں تمھیں جنت کی بہار
شیخ جی تم بھی ذرا کوئے بتاں تک آؤ

نظم

ہماری پیاری زبان اردو
ہماری نغموں کی جان اردو
حسین دل کش جوان اردو

زبان وہ دھل کے جس کو گنگا کے جل سے پاکیزگی ملی ہے
اودھ کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے جس کے دل کی کلی کھلی ہے
جو شعر و نغمہ کے خلد زاروں میں آج کوئل سی کوکتی ہے
اسی زباں میں ہمارے بچپن نے ماؤں سے لوریاں سنی ہیں
جوان ہو کر اسی زباں میں کہانیاں عشق نے کہی ہیں
اسی زباں کو چمکتے ہیروں سے علم کی جھولیاں بھری ہیں
اسی زباں سے وطن کے ہونٹوں نے نعرہ انقلاب پایا
اسی سے انگریز حکمرانوں نے خود سری کا جواب پایا
اسی سے میری جواں تمنا نے شاعری کا رُباب پایا
یہ اپنے نغمات پر اثر سے دلوں کو بیدار کر چکی ہے
یہ اپنے نعروں کی فوج سے دشمنوں پہ یلغار کر چکی ہے
ستم گروں کی ستم گری پر ہزاریا رواں کر چکی ہے
کوئی بتاؤ وہ کون سا موڑ ہے جہاں ہم جھجک گئے ہیں
وہ کون سی رزم گاہ ہے جس میں اہل اردو دبک گئے ہیں
وہ ہم نہیں ہیں جو بڑھ کے میداں میں آئے ہوں اورٹھٹک گئے
یہ وہ زباں ہے کہ جس نے زنداں کی تیرگی میں دیئے جلاؤ
یہ وہ زباں ہے کہ جس کے شعلوں سے جل گئی پھانسیوں کے سائے
فرازِ دار و رسن سے بھی ہم نے سرفروشی کے گیت گائے
کہا ہے کس نے کہ ہم اپنے پیارے وطن میں بھی بے وطن رہیں گے
زبان چھن جائیگی ہمارے دہن سے ہم بے سخن رہیں گے
ہم آج بھی کل کی طرح دل کے ستار پر نغمہ زن رہیں گے
یہ کیسی باد بہار ہے جس میں شاخ اردو نہ پھل سکے گی
وہ کیسا رُو نگار ہو گا نہ زلف جس پر مچل سکے گی
ہمیں وہ آزادی چاہیئے جس میں دل کی مینا اُبل سکے گی
ہمیں یہ حق ہے کہ ہم اپنی خاک وطن میں اپنا چمن سجائیں
ہماری ہے شاخ گل تو پھر کیوں نہ اس پہ ہم آشیاں بنائیں
ہم اپنے انداز اور اپنی زباں میں اپنے گیت گائیں
کہاں ہو متوالو آؤ بزم وطن میں ہے امتحاں ہمارا
زباں کی زندگی سے وابستہ آج سود و زیاں ہمارا
ہماری اردو رہے گی باقی اگر ہے ہندوستاں ہمارا
چلے ہیں گنگ و جمن کی وادی میں ہم ہوائے بہار بن کر
ہمالیہ سے اُتر رہے ہیں ترانہ آبشار بن کر
رواں ہیں ہندوستاں کی رگ رگ میں خون کی سرخ دھار بن کر

ہماری پیاری زبان اردو
ہماری نغموں کی جان اردو
حسین دل کش جوان اردو

(بشکریہ۔پاک ٹی ہاؤس)

عطاءالرحمن چوہان۔اردو

قومی زبان اردو پاکستان میں اجنبی زبان کے طور پر فروغ پا رہی ہے۔ ریاست مسلسل قومی زبان کونظرانداز کئے جارہی ہے۔اس کے برعکس دنیا بھر میں ہماری قومی زبان اردوکو پذیرائی مل رہی ہے۔حال ہی میں امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بھی اپنی پالیسیوں کے ابلاغ کے لئے دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کا شعبہ بھی قائم کیا ہے۔ذرائع ابلاغ کے محاذ پر بی بی سی کی معروف اردوسروس کے علاوہ امریکہ،چین،روس،جاپان اور جرمنی سمیت دنیا بھر کے ممالک کے ذرائع نے اردوسروس شروع کررکھی ہے۔پاکستان میں ہمیشہ سے مغرب زدہ افراد حکومتوں پر فائز رہے ہیں اور ہماری نوکر شاہی برطانوی بیوروکریسی کا تسلسل ہے۔اس وجہ سے یہ دونوں ٹولے قومی زبان اردوکو ریاستی اداروں میں داخل ہونے سے روک رہے ہیں اور انگریزی زبان کے تسلط کو مستحکم کرنے میں لگے ہیں۔عوام اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے بھی قومی زبان کے نفاذ پر کوئی موثر مطالبہ نہیں کیا جارہا۔دستوری تقاضے اور عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے باوجود حکمران اور نوکرشاہی نفاذ اردو پر توجہ نہیں دے رہے۔ان حالات میں پاکستان کے ارباب دانش کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قومی زبان کے نفاذ کے لئے اپنا کردار ادا کریں اور قوم کو انگریزی کے ناجائز تسلط سے آزاد کروائیں۔

ہماری خاموشی انگریزی کے ناجائز تسلط کودوام دینے کا سبب بن رہی

ہے۔اس لئے ہر سطح پر موثر مہم جوئی کی ضرورت ہے تاکہ قوم کو اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کے لیے قومی زبان اردو کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔نفاذ اردو کی جدوجہد ہر پاکستانی پر فرض ہے۔یہ کسی ایک تنظیم کا فرض نہیں اور نہ نفاذ اردو پر کسی کی اجارہ داری ہے۔ہمیں ہر فرد، ہر گروہ، ہر سیاسی اور مذہبی جماعت اور ہر شعبہ زندگی کے افراد کو قومی زبان کے نفاذ کی جدوجہد کی پشت پر کھڑا کرنا ہوگا۔اگر ہم اس سے لاتعلق رہے تو انگریزی کا تسلط ہمارے معاشرے میں اس قدر سرائیت کر جائے گا کہ قومی زبان کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ملے گا۔

(بشکریہ۔تحریک نفاذ اردو پاکستان)

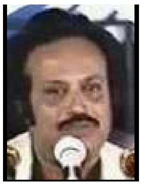

تعارف شاعر حکیم ناصر

نام۔زید حامد تخلص: ناصر　اصلی نام: محمد ناصر

پیدائش: اجمیر ہندوستان: 1947

وفات: کراچی پاکستان: 28 جولائی 2007

شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی تھے ی 1947 ہی میں والدین کے ساتھ کراچی پاکستان ہجرت کی آپکے والد اور دادا بھی حکیم تھے۔کراچی آتے ہی نظامی دواخانہ وراثت میں ملا۔اُن کی غزل ۔ جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے نے بہت شہرت حاصل کی لیکن ناصر تخلص ہونے کی بنا پر اکثر نوجوان اس غزل کو ناصر رضا ناصر کاظمی صاحب کی غزل سمجھ کر مغالطہ کر جاتے ہیں۔

ذیل میں اُن کا نمونہ کلام کے طور پر مزید غزل پیشِ خدمت ہے۔

عشق کرکے دیکھ لی، جو بے بسی دیکھی نہ تھی
اس قدر اُلجھن میں پہلے زندگی دیکھی نہ تھی
یہ تماشہ بھی عجب ہے اُن کے اُٹھ جانے کے بعد
میں نے دِن میں اس سے پہلے تیرگی دیکھی نہ تھی
آپ کیا آئے کہ رخصت سب اندھیرے ہوگئے
اس قدر گھر میں کبھی بھی روشنی دیکھی نہ تھی
آپ سے آنکھیں ملی تھیں پھر نہ جانے کیا ہُوا
لوگ کہتے ہیں کہ ایسی بے خودی دیکھی نہ تھی
مجھ کو رخصت کر رہے ہیں وہ عجب انداز سے
آنکھ میں آنسو لبوں پر یہ ہنسی دیکھی نہ تھی
کس قدر خوش ہوں میں ناصراُن کو پالینے کے بعد
ایسا لگتا ہے کبھی ایسی خوشی دیکھی نہ تھی

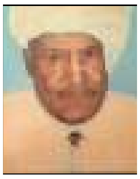

تعارف اُستاد دامن۔ایوب خاور

تخلّص: دامن اصل نام چراغ دین

عوام نے ''اُستاد'' کا خطاب دیا۔پہلے پہل ''ہمدم'' تخلّص کیا لیکن بعد میں تبدیل کر لیا۔پیدائش: 04.06.1911 کو لاہور ہندوستان میں لاہوری گیٹ محلے میں پیدا ہوئے۔وفات: ۳ دسمبر 1984 کو لاھور (اب بعد تقسیم ہند پاکستان) وفات پائی۔والدین: میراں بخش اور کریم بی بی، تقسیمِ ہندوستان 1947 کو فسادات ہوئے تو انکی دکان اور گھر کو جلا دیا گیا اور کم سِن بیٹی کو شہید کر دیا گیا۔ان کی شاعری مزاحمتی شاعری ہے چاہے سِول ڈکٹیٹر ہو یا فوجی وہ شدید مخالفت کرتے تھے۔پاکستان کے لیجنڈ اداکار علاء الدین ان کے مداح تھے اور استاد دامن نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا،، انہوں نے فلمی گیت بھی لکھے۔حوالہ: انٹرویو مُنّے بھائی + کرم نواز۔حوالہ: ڈاکٹر افضل مرزا مشہور ومقبول عوامی شاعر تھے سیاسی جلسوں کی رونق تھے۔

نمونۂ کلام

کھائی جاوٗ، کھائی جاوٗ بھیت کِنے کھولنے
وِچّوں کھائی جاوٗ اُتوں رولا پائی جاوٗ
چند شعری کلپس ملفوف ہیں
اب یہ تیرے سوا اور بھلا کس سے کریں
تو جفا کار ہوا ہے تو وفا کس سے کریں
آئنہ سامنے رکھیں تو نظر تو آئے
تجھ سے جو بات چھپانی ہو کہا کس سے کریں
ہاتھ اُلجھے ہوئے ریشم میں پھنسا بیٹھے ہیں
اب بتا کون سے دھاگے کو جدا کس سے کریں
زُلف سے چشم و لب و رُخ سے کہ تیرے غم سے
بات یہ ہے کہ دل و جاں کو رہا کس سے کریں
تو نہیں ہے تو پھر اے حسن سخن ساز بتا
اس بھرے شہر میں ہم جیسے ملا کس سے کریں
تو نے تو اپنی سی کرنی تھی سو کرلی خاورؔ
مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کا گلا کس سے کریں

گلستانِ مصطفیٰ

تبصرہ نگار۔ ڈاکٹر مقصود جعفری

رحمت عزیز چترالی صاحب نامور کالم نگار، قانون دان، مترجّم، محقق، مدبر اور شاعر ہیں۔ ہمہ جہت شخصیت ہیں۔کھوار اور اردو زبان میں اِن کا شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ایوارڈ یافتہ ہیں۔''گلستانِ مصطفیٰ'' کھوار زبان میں لکھی گئی شاعری کا اردو میں آسان اور دلپزیر ترجمہ ہے۔ارشاد ہوا کہ اس کتاب پر چند سطور لکھوں۔گویا کہ ہوا مجھ سے وہ ہمکلام اللہ اللہ...کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ۔نعت محبوبِ خدا کی مدحت،توصیف اور تعریف ہے۔یہ گلدستہء عقیدت ہے۔قرآنِ مجید میں مدحتِ مصطفیٰ ہے۔نعت سنتِ خدا ہے۔یہ نسخۂ شفا ہے۔آبِ حیات ہے۔سرمایۂ نجات ہے۔یہ اعجاز ہے۔روح کی نماز ہے۔حضرتِ ابوطالب پہلے نعت گو اور ثناخوانِ رسول تھے۔حسان بن ثابت اور جامی نے نعت گوء کا شرف حاصل کیا۔جامی کی یہ نعت آج بھی اہلِ دین ودانش کے لئے حرزِ جاں ہے۔

نسیم جانبِ بطحا گذر کُن ... زاحوالم محمد را خبر کُن

گلستانِ مصطفیٰ میں کھوار زبان کے شاعروں نے عقیدت کے موتی سجا کر تاجِ شاعری کو چار چاند لگا دئے ہیں۔ یہ نعتیں عقیدت، بصیرت، فراست اور حکمت کی آئینہ دار ہیں۔ایک شعر ملاحظہ ہو۔ ہرای مسلمان طلبگار مدینو...یو مونی اِسپہ نو بہار مدینو

ترجمہ(ہرایک مسلمان مدینہ کی زیارت کا طلبگار ہے اور کہہ رہا ہے کہ مدینہ میں گزارہ سردی کا موسم ہمارے لیے کسی نو بہار سے کم نہیں) یہ ایک شعر مشتے از خروارے ہے۔ہر شعر خزینۂ معرفت اور چشمہء عقیدت ہے۔نعت گوء پُلِ صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔بقولِ شاعر

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گُم کردہ می آید جنید و با یزید اینجا

اعظم نوید

عشق میں دن کو نظر آئے ہیں تارے کیا کیا
زندگی ہم نے ترے قرض اُتارے کیا کیا
ہم نے ہر حال میں آنکھوں پہ بٹھایا سب کو
عُمر بھر پھر بھی ملے جاں کو خسارے کیا کیا
اپنے دامن کو زمانے سے چُھپائے رکھا
ایک دنیا نے کئے پھر بھی اشارے کیا کیا
چاند چہرے تھے کئی اور ستارہ آنکھیں
شوخ و چنچل تھے کئی راج دُلارے کیا کیا
جن کی قُربت سے منور تھا زمانہ سارا
ہائے کچھ لوگ مری جاں سے تھے پیارے کیا کیا
اب بھی تنہائی میں بھر آتی ہیں آنکھیں یارو
دل جلاتے ہیں گلی، کوچے، چبارے کیا کیا
پوچھتے تیرا پتہ رہتے ہیں ہم سے اب تک
ساحلِ دریا، حسیں جھیل، کنارے کیا کیا
ذکر تیرا ہی ہر اک لب پہ ہے رہتا اکثر
ہر کلی، غُنچہ و گُل، برکھا پکارے کیا کیا
غم کا اک بوجھ کبھی دل سے نہ مِٹنے پایا
زندگی ہم نے ترے نقش سنوارے کیا کیا
روزنِ وقت سے اب شکوہ کریں بھی کیسے؟
لمحے صدیوں میں کبھی ہم نے گزارے کیا کیا
بُھول سکتا ہے کوئی عہدِ جواں کو اعظمؔ
یاد کرتے ہیں اسے سوچ کے دھارے کیا کیا

جستہ جستہ: عطاء القادر طاہر

رات کے 2 بجے دادا ابو نے کہا: بیٹا روٹی پکا دو بھوک لگی ہے۔میں روٹی اور انڈہ پکا کر لایا تو دادا ابو نہیں ملے اور نہ انکی چار پائی دادی اماں کو جگا کر پوچھا کہ دادا ابو کہاں ہیں۔تو کہنے لگیں کہ تیرا دماغ تو خراب نہیں۔ تیرا دادا تو تیری پیدائش سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔پھر میں نے دادی اماں کیساتھ بیٹھ کر روٹی کھائی اور برتن کچن میں رکھ کر سو گیا۔صبح اٹھا تو نانی اماں نے پوچھا کہ رات کس سے باتیں کر رہے تھے۔میں دادا ابو والی بات گول کر گیا اور بتایا کہ دادی اماں کو انڈہ بنا کر دیا تھا۔نانی حیرت سے بولی کہ تیری دادی تو دس سال پہلے مر چکی ہے۔میں حیران ہو کر دادی کے کمرہ میں گیا تو دادی نہیں تھی واپس آیا تو نانی بھی نہیں تھی۔ پھر نوکرانی سے پوچھا تو نوکرانی نے بتایا کہ تمھاری نانی تو پچھلے سال وفات پا چکی ہے۔میں روتا ہوا کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔پھر یاد آیا ہماری تو کوئی نوکرانی بھی نہیں ہے۔

آفتاب شاہ - اقوالِ جدید

ہر شخص اپنی تعریف سننے کا متمنی ہوتا ہے لیکن کچھ لوگ ستائش پرستی کے مرض میں باقاعدہ مبتلا ہوتے ہیں ان لوگوں کا مقبول فقرہ پتہ ہے میں کون ہوں ہمیشہ ان کی زبان پر رہتا ہے یا آپ مجھے نہیں جانتے کا ورد بھی ان کو مقبولِ عام رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو نثر کا ایک فقرہ یا شعر کا ایک مصرعہ لکھ کر طوائف کی طرح داد کے طالب ہوتے ہیں اور اگر سیاست میں ہوں تو دلال کی طرح اپنی جنس کی قیمت کے خواہاں ہوتے ہیں معاشرتی سطح پر ایسے لوگ زبان کے ہنٹر اور گالی کے تماچے سے دوسروں سے تعریف چھین لیتے ہیں ایسے لوگوں کا بس نہیں چلتا ورنہ نماز میں بھی اللہ تعالیٰ سے ضرور کہیں پتہ ہے آج کون عبادت کرنے آیا ہے۔

2

ڈر اور خوف کبھی بھی محبت کو جنم نہیں دیتے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تمام عمر لوگوں کو خدا کا ڈر اور خوف بتا بتا کر محبت پیدا کی جا سکے۔ محبت انسان کو محبوب کے قریب تر کر دیتی ہیں۔ محبوب کی بات حتمی اور دل کے لیے حرفِ آخر قرار پاتی ہے۔ محبوب کا لفظ حکم اور عمل کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ ہر لمحہ محبوب کی یاد دل کو تڑپاتی ہے۔ محبوب نظر نہ آئے تو دل بیقرار رہتا ہے۔ محبوب کی مار بھی پھولوں کی پتیوں کی طرح بدن کو محسوس ہوتی ہے۔ محبوب کا درجہ ہر درجے سے اعلیٰ و برتر ٹھہرتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ محبوب مجازی تو خدا بن جاتا ہے اور خدا کے لیے محبت کبھی جاگتی ہی نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں نام نہاد وقت کے ملانے صرف ڈر پیدا کیا ہو اور محبت کا درس بھول گیا ہو۔

3

ہر غلط چیز کو برداشت کرنا بھی زیادتی اور بزدلی کے زمرے میں آتا ہے۔ نہ تو یہ اسلام کی تعلیم ہے اور نہ ہی عقلی سطح پر اس کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ غلطی کی سطح اور نوعیت کیا ہے۔ بہت سی غلطیاں نظر انداز کر کے گھر کا ماحول پر سکون بنایا جاسکتا ہے لیکن اس کا اطلاق غیرت اور عزت پر نہیں کیا جاسکتا لیکن غیرت اور عزت کا مقام کونسا ہے وہ بھی جاننا ضروری ہے کیونکہ بہن کی محبت گناہ اور بھائی کی محبت کی شادی اس معاشرے میں جائز سمجھی جاتی ہے جہاں آج بھی غیرت کے نام پر قتل جائز اور لڑکی کی پسند بے غیرتی کہلاتی ہے۔ اگر غیرت کا یہی پیمانہ بدل دیا جائے تو دنیا میں صرف عورتیں زندہ رہیں۔

4

ہر انسان کو انفرادیت عطا کی گئی ہے لیکن حیرت اس بات کی ہے ہر کوئی خود میں ظاہری خامی تلاش کر کے حسن کے خزانوں کی تلاش میں سرگرداں ہے کوئی اپنے کرداری اور اخلاقی عیوب کو درست کرنا نہیں چاہتا۔ جتنا دھیان شکل وصورت پر، کپڑوں پر، جوتوں پر اور کھانے پر دیتا ہے اگر اس کا عشرِ عشیر بھی اپنی اندرونی غلاظتوں کی صفائی پر لگا دے تو سات ارب انسانوں میں انفرادیت کا وہ حق ادا کر دے کہ انسانیت بھی اس پہ نازاں ہو۔

5

بیٹی باپ کا وہ اثاثہ ہوتی ہے جس کی محبت باپ کی آنکھیں ہمیشہ نم رکھتی ہے جس سے اس کا دل شفقت سے بھرا رہتا ہے بیٹی کی حیا کے رنگ باپ کی پگڑی کو روشن رکھتے ہیں بیٹی جو انکار کرتے سروں کو اپنی چاہت سے اقرار میں بدل دیتی ہے جو باپ کا فخر اور غرور ہوتی ہے جس کا بچپن باپ کے لیے کبھی آتا ہی نہیں کیونکہ بیٹی پیدا ہوتے ہی رخصتی کا حق لے کر وارد ہوتی ہے۔ باپ اور بیٹی کا رشتہ حقیقت میں اس کائنات کے خوبصورت ترین رشتوں کی معراج ہے۔ باپ کا سایہ بیٹی کا مان ہمیشہ قائم رکھتا ہے چاہے وہ پاس ہو یا کہیں اور جا بسا ہو۔

6

دل کی دنیا کے عجب دستور ہیں بیرنگی کا عکس دلِ جان کی چاہ کا ارمان بن جاتا ہے اور کہیں خوش رنگی کا سامان بیکیفی سے دھتکار دیا جاتا ہے۔ حسین نقوش بیتابیِ عشق میں بگڑتے بدلتے بے حال ہوتے نظر آتے ہیں اور کہیں محبت بیچارگی کو طلب کی چاہ میں گھنگھرو پہنا کر رقص کروا دیتی ہے۔ یہ وہ جہاں ہے جہاں دل کی حکمرانی کو عقل بیبسی سے سلام کرتی ہے جہاں سجدے کی طوالت سے زیادہ آہ کی صدا اپنے ہم نشین کے دربار میں قبول ہوتی ہے۔ جہاں اٹھے سر اس طرح جھکتے ہیں کہ پھر رنگینیِ جہاں کی نظارگی بے کیف معلوم ہونے لگتی ہے۔

***

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

ایران کا ایک بادشاہ سردیوں کی شام جب اپنے محل میں داخل ہو رہا تھا تو ایک بوڑھے دربان کو دیکھا جو محل کے صدر دروازے پر پُرانی اور باریک وردی میں پہرہ دے رھا تھا۔ بادشاہ نے اُس کے قریب اپنی سواری کو رکوایا اور اُس ضعیف دربان سے پوچھنے لگا:

سردی نہیں لگ رھی؟ دربان نے جواب دیا: بہت لگتی ھے حضور۔ مگر کیا کروں، گرم وردی ھے نہیں میرے پاس، اس لئے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ میں ابھی محل کے اندر جا کر اپنا ہی کوئی گرم جوڑا بھیجتا ہوں تمہیں۔ دربان نے خوش ھو کر بادشاہ کو فرشی سلام کیے اور بہت تشکّر کا اظہار کیا، لیکن بادشاہ جیسے ھی گرم محل میں داخل ھوا، دربان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ بھول گیا۔ صبح دروازے پر اُس بوڑے دربان کی اکڑی ہوئی لاش ملی اور قریب ھی مٹّی پر اُس کی یخ بستہ انگلیوں سے لکھی گئی یہ تحریر بھی بادشاہ سلامت، میں کئی سالوں سے سردیوں میں اِسی نازک وردی میں دربانی کر رہا تھا مگر کل رات آپ کے گرم لباس کے وعدے نے میری جان نکال دی۔ سہارے انسان کو کھوکھلا کر دیتے ہیں اسی طرح امیدیں کمزور کر دیتی ہیں اپنی طاقت کے بل بوتے جینا شروع کیجئے۔ سہاروں کی بیساکھیاں پھینک کر اپنی طاقت آزمائیں۔

بھیڑیا واحد جانور ہے:

جو اپنے والدین کا انتہائی وفادار ہے یہ بڑھاپے میں اپنے والدین کی خدمت کرتا ہے۔ یہ ایک غیرت مند جانور ہے اسلئے ترک اپنی اولاد کو شیر کی بجائے بھیڑیے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بھیڑیا: واحد ایسا جانور ہے جو اپنی آزادی پر کبھی بھی سمجھوتہ نہیں کرتا اور کسی کا غلام نہیں بنتا بلکہ جس دن پکڑا جاتا ہے اس وقت سے خوراک لینا بند کر دیتا ہے اس لئے اس کو کبھی بھی آپ چڑیا گھر یا پھر سرکس میں نہیں دیکھ پاتے اس کے مقابلے میں شیر، چیتا، مگر مچھ اور ہاتھی سمیت ہر جانور کو غلام بنایا جا سکتا ہے۔ بھیڑیا کبھی کھاتا اور یہی جنگل کے بادشاہ کا طریقہ ہے اور نہ ہی بھیڑیا محرم مؤنث (والدہ، بہن) پر جھانکتا ہے یعنی باقی جانوروں سے بالکل مختلف بھیڑیا اپنی ماں اور بہن کو شہوت کی نگاہ سے دیکھتا تک نہیں۔ بھیڑیا اپنی شریک حیات کا اتنا وفادار ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور مؤنث سے تعلق قائم نہیں کرتا۔ اسی طرح مؤنث (یعنی اس کی شریک حیات) بھیڑیا کے ساتھ اسی طرح وفاداری نبھاتی ہے۔ بھیڑیا اپنی اولاد کو پہنچانتا ہے کیونکہ ان کے ماں باپ ایک ہی ہوتے ہیں۔۔۔ جوڑے میں سے اگر کوئی ایک مرجائے تو دوسرا مرنے والی جگہ پر کم از کم تین ماہ کھڑا بطور ماتم افسوس کرتا ہے۔ بھیڑیے کو عربی زبان میں ابن البار کہا جاتا ہے، یعنی نیک بیٹا کیونکہ جب اس کے والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں تو یہ ان کے لئے شکار کرتا ہے اور ان کا پورا خیال رکھتا ہے۔ اس لئے ترک اپنی اولاد کو شیر کی بجائے بھیڑیئے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ انکا ماننا ہے کہ شیر جیسا خونخوار بننے سے بہتر ہے بھیڑیے جیسا نسلی ہونا۔

مستنصر حسین تارڑ کی کتاب

پریشانی تو صرف آخرت کے حوالے سے ہے

خلیفہ عبدالملک بن مروان بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ اس کی نظر ایک نوجوان پر پڑی۔ جس کا چہرہ بہت پُر وقار تھا۔ مگر وہ لباس سے مسکین لگ رہا تھا۔ خلیفہ عبدالملک نے پوچھا، یہ نوجوان کون ہے۔ تو اسے بتایا گیا کہ اس نوجوان کا نام سالم ہے اور یہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا پوتا ہے۔ خلیفہ عبدالملک کو دھچکا لگا۔ اور اُس نے اِس نوجوان کو بلا بھیجا۔ خلیفہ عبدالملک نے پوچھا کہ بیٹا میں تمہارے دادا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بڑا مداح ہوں۔ مجھے تمہاری یہ حالت دیکھ کر بڑا دُکھ ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر میں تمھارے کچھ کام آ سکوں۔ تم اپنی ضرورت بیان کرو۔ جو مانگو گے تمہیں دیا جائے گا۔ نوجوان نےجواب دیا، اے امیر المومنین! میں اس وقت اللہ کے گھر بیت اللہ میں ہوں اور مجھے شرم آتی ہے کہ اللہ کے گھر میں بیٹھ کر کسی اور سے کچھ مانگوں۔ خلیفہ عبدالملک نے اس کے پُر متانت چہرے پر نظر دوڑائی اور خاموش ہو گیا۔ خلیفہ نے اپنے غلام سے کہا۔ کہ یہ نوجوان جیسے ہی عبادت سے فارغ ہو کر بیت اللہ سے باہر آئے، اسے میرے پاس لے کر آنا۔ سالم بن عبداللہؓ بن عمرؓ جیسے ہی فارغ ہو کر حرمِ کعبہ سے باہر نکلے تو غلام نے اُن سے کہا کہ امیر المؤمنین نے آپ کو یاد کیا ہے۔ سالم بن عبداللہؓ خلیفہ کے پاس پہنچے۔ خلیفہ عبدالملک نےکہا، نوجوان! اب تو تم بیتُ اللہ میں نہیں ہو، اب اپنی حاجت بیان کرو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہاری کچھ مدد کروں۔ سالم بن عبداللہؓ نےکہا، اے امیر المؤمنین! آپ میری کونسی ضرورت پوری کر سکتے ہیں، دنیاوی یا آخرت کی؟ امیر المؤمنین نےجواب دیا، کہ میری دسترس میں تو دنیاوی مال ومتاع ہی ہے۔ سالم بن عبداللہؓ نے جواب دیا۔ امیر المؤمنین! دنیا تو میں نے کبھی اللہ سے بھی نہیں مانگی۔ جو اس دنیا کا مالکِ کُل ہے۔ آپ سے کیا مانگوں گا۔ میری ضرورت اور پریشانی تو صرف آخرت کے حوالے سے ہے۔ اگر اس سلسلے میں آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں تو میں بیان کرتا ہوں۔ خلیفہ حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ نوجوان یہ تُو نہیں، تیرا خون بول رہا ہے۔ خلیفہ عبدالملک کو حیران اور ششدر چھوڑ کر سالم بن عبداللہؓ علیہ رحمہ وہاں سے نکلے اور حرم سے ملحقہ گلی میں داخل ہوئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یوں ایک نوجوان حاکمِ وقت کو آخرت کی تیاری کا بہت اچھا سبق دے گیا* کیا آپ نے بھی آخرت کے بارے میں کچھ سوچا؟ نہیں سوچا تو اللہ کے واسطے ابھی اسی لمحہ سے سوچیں۔ کیا پتہ اگلا لمحہ ہمیں نصیب ہو یا نہ ہو۔

غلط العام اسمائے کیفیت

خواجہ محمد عارف

اس بحث کا آغاز ڈاکٹر رؤف پاریکھ کی ایک تحریر کے ایک اقتباس سے کرتا ہوں، وہ لکھتے ہیں:

ادائی یا ادائیگی؟

اگرچہ ’’ادائیگی‘‘ لکھنے اور بولنے کا رواج بہت عام ہو گیا ہے اور جو چیز زبان میں رائج ہو جائے، اسے بدلنا مشکل ہوتا ہے لیکن ’’ادائیگی‘‘ اصولاً غلط ہے اور اسے ’’ادائی‘‘ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ یہ ’’ادا‘‘ سے ہے۔ اور اگر ادا سے ادائیگی ہے تو کیا جدا سے جدائیگی اور خدا سے خدائیگی ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جدا سے جدائی اور خدا سے خدائی ہے تو ادا سے ادائی ہوگا نا کہ ادائیگی۔ ’’گی‘‘ تو فارسی لاحقہ ہے، جو اُن فارسی الفاظ کے آخر میں لگتا ہے، جن کا اختتام ’’ہ‘‘ پر ہوتا ہے اور اس صورت میں ’’ہ‘‘ ہٹا کر ’’گی‘‘ لگاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سنجیدہ، رنجیدہ، آمادہ، دیوانہ اور گندہ وغیرہ کے آخر میں سے ’’ہ‘‘ نکال کر ’’گی‘‘ لگائیں گے تو علی الترتیب یہ اسمِ کیفیت بنیں گے: سنجیدگی، رنجیدگی، آمادگی، دیوانگی اور گندگی وغیرہ۔ اب بتائیے کہ ادا کے ساتھ ’’گی‘‘ کس قاعدے کے تحت لگ سکتا ہے؟ صحیح لفظ ’’ادائی‘‘ ہے نہ کہ ’’ادائیگی‘‘

(حوالہ: روزنامہ جنگ (قرطاسِ ادب۔ انٹرنیٹ ایڈیشن صحتِ زبان، از: ڈاکٹر رؤف پاریکھ۔ مطبوعہ ۲۱/اگست ۲۰۱۸ء)

ڈاکٹر رؤف پاریکھ اردو زبان و ادب کے ایک معروف محقق اور بہترین اُستاد ہیں۔ ادب کے کئی شعبوں میں ان کا تحقیقی کام قابلِ داد ہے۔ صحتِ زبان کے بارے میں ان کے مضامین اکثر پڑھنے کو ملتے ہیں جن میں وہ تلفظ یا املا کی غلطیوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور بڑی تفصیل سے اور دل نشین انداز میں ان کی درستی کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے ان مضامین سے معمولی پڑھے لکھے افراد سے لے کر لسانیات کے ماہرین تک، ہر طبقے کو استفادہ کا موقع ملتا ہے۔ ان کی تحریر بلا مبالغہ ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کی رائے سے کسی علمی اختلاف کی بہت کم گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن درج بالا اقتباس بعنوان ’’ادائی یا ادائیگی‘‘ میں ان سے علمی اختلاف کا ایک پہلو موجود ہے۔ ذیل کی سطور میں ذرا تفصیلاً اس پر بحث کی جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ ’’گی‘‘ فارسی زبان کا وہ لاحقہ ہے جو حرف ’’ہ‘‘ پر اختتام پذیر اسما کی آخری ’’ہ‘‘ ہٹا کر ساتھ لگتا ہے اور اسمِ کیفیت بناتا ہے۔ مثلاً سنجیدہ سے سنجیدگی، زندہ سے زندگی، بندہ سے بندگی وغیرہ۔ اصولاً عربی الفاظ کے ساتھ یہ لاحقہ درست نہیں، اس لئے ’’ادا‘‘ سے ’’ادائیگی‘‘ غلط ہے لیکن ایک طویل مدت سے اردو زبان میں رائج ہونے کی وجہ سے اب اسے غلط العام کے طور پر اہلِ علم نے بھی قبول کر لیا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے اس کا متبادل ’’ادائی‘‘ اگر قواعد کی رُو سے صحیح بھی ہو تو وہ غیر مانوس ہونے کی وجہ سے شاید رائج نہ ہو سکے گا۔

یہاں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ لفظ ’’ادا‘‘ فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں موجود ہے اور ہر زبان میں اس کے معانی جدا جدا ہیں۔ فارسی میں ’’ادا‘‘ انداز، ناز، اشارہ، رمز، قرینہ، طریقہ، ڈھنگ، بناوٹ کے معنوں میں مستعمل ہے۔ مثلاً

حیا سے سر جھکا لینا، ادا سے مسکرا دینا
حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا (اکبر الہ آبادی)

پہلے اس میں اک ادا تھی، ناز تھا، انداز تھا
رُوٹھنا اب تو تری عادت میں شامل ہو گیا (آغا شاعر قزلباش)

آفت تو وہ ناز بھی، انداز بھی لیکن
مرتا ہوں میں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے (امیر مینائی)

اُردو غزل کے ذخیرے سے ’’ادا‘‘ کے استعمال کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ عربی میں ’ادا‘ پورا کرنا، بے باق کرنا، دینا اور اُتارنا کے معنوں میں رائج ہے۔ ادا کرنا سے مراد، چکانا، دے دینا، نبھانا، قاعدے اور قرأت کے مطابق پڑھنا (فیروز الغات اردو) قرآن میں سپرد کرنے، انجام دینے اور پہنچانے کے مفہوم میں آتا ہے۔ وَ اَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ۔

(البقرۃ ۲:۱۷۸) اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔

وَ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ (۳:۷۵)

بعض اہلِ کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انھیں خزانے کا امین بنا دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انھیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تُو سر پر ہی کھڑا رہے، یہ اس لئے کہ انھوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں (غیر یہودی) کے حق کا کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۔ (النسا ۵۸)

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے حق داروں تک پہنچا دو)

مصباح اللغات عربی (اردو) کے مطابق ''الاداء'' پہنچانا، ادائیگی کرنا انگریزی لفظ (Payment/To Pay) کا صحیح اردو متبادل ''ادا کرنا'' یا ''ادائیگی'' ہے۔ ادا بمعنی ''چکانا''

لوں دام بختِ خفتہ سے، خوابِ خوش ولے
غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا (غالبؔ)

زیرِ بحث لفظ ''ادائیگی'' فارسی لفظ ''ادا'' کے ساتھ ''گی'' کا لاحقہ لگا کر نہیں بنایا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو فارسی قواعد کی رُو سے یہ غلط تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ''ادائیگی'' ناز و انداز کے اظہار، رمز و اشارت یا اداکاری کے معنوں میں رائج نہیں بلکہ دے دینا، چکا دینا، بے باق کرنا، نبھانا یا الفاظ کو اپنے صوتی لحاظ سے پڑھنے یا تلفظ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نماز کے الفاظ کا متن پڑھنے اور نماز میں جسمانی افعال مثلاً قیام، رکوع، سجود اور قعدہ وغیرہ کو سرانجام دینے کو نماز کی ''ادائیگی'' کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ عربی ''ادا'' سے بنایا گیا اُردو اسمِ کیفیت ہے جو عربی یا فارسی دونوں زبانوں کے قواعد کے لحاظ سے درست نہیں لیکن اردو میں رائج ہو کر مقبولِ عام ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ''ادائی'' اس کا صحیح تر متبادل ہے؟ غالباً نہیں ہے۔ ''ادائی'' میں شاید وہ مفہوم موجود نہیں جو ''ادائیگی'' میں ہے۔

''ادائی'' اداکاری کے معنوں میں درست معلوم ہوتا ہے، ادا کرنے (ادائیگی) کے معنوں میں صحیح نہیں۔ مثلاً کسی اداکار کی اداکاری کا معیار یا کارکردگی جانچنے کے لئے اچھی ادائی یا بری ادائی کہا جا سکتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ''دوا'' سے اُردو میں ''دوائی'' وضع کر لیا گیا ہے اور دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں اسی طرح ''ادا'' کو بھی ''ادائی'' بنا لیا گیا ہے۔ اضافی مرکب کی صورت میں جیسے ''دوائے درد'' صحیح ہے اور ''دوائُ درد'' غلط اسی طرح ''ادائی'' ترکیبِ اضافی کی شکل میں مستعمل ہو تو ادائُ نماز، ادائُ فرض، ادائُ قرض یا ادائُ رسم ہونی چاہیے لیکن عملاً ایسا نہیں۔ ترکیبِ اضافی ادائے نماز، ادائے فرض، ادائے قرض اور ادائے رسم ہے۔ ''ادائیگی'' پہلے پہل کس علاقے یا زمانے میں یا کس مصنف کی تحریر میں داخلِ اُردو ہوا؟ اہلِ علم و تحقیق اس پر مزید روشنی ڈال سکتے ہیں۔ دل چسپ امر یہ ہے کہ اردو زبان میں ''ادائیگی'' کی قبیل کے اور بھی بہت سے الفاظ مستعمل ہیں جو اصلاً عربی الفاظ کے ساتھ ''گی'' کا لاحقہ لگا کر بنائے گئے ہیں اور صدیوں سے رائج ہیں۔ اب انھیں غلط العام کہنا بجائے خود ایک غلطی محسوس ہوتی ہے۔ نیم خواندہ بنیے کے کھاتوں اور دیہاتی پٹواریوں کی دستاویزات سے لے کر اُردو زبان کے بڑے بڑے قادرالکلام شعرا اور نثر نگاروں کی تحریروں میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ لسانیات ولغات کے ماہرین اور محققین تک کی تحریر و تقریر کا حصہ ہیں۔ صحتِ زبان پر خصوصی توجہ دینے افراد نے بھی شاید ہی کبھی ان کی ''موجودگی'' کو زیرِ بحث لایا ہو۔

عربی لفظ ''قاعدہ'' کے ساتھ ''گی'' کا لاحقہ لگا کر ''قاعدگی'' بنایا گیا ہے۔ اُردو میں عام طور پر ''باقاعدگی'' اور ''بے قاعدگی'' کے سابقوں کے ساتھ مروج ہے۔ علیٰحدہ (علیٰ حِدَہ) مرکب عربی لفظ کی فارسی قاعدے کے مطابق ''ہ'' ہٹا کر اور ''گی'' کا لاحقہ لگا کر ''علیحدگی'' بنا لیا گیا ہے۔ سیاسی لحاظ سے عام طور پر کسی ملک کے چھوٹے خطے یا کسی خاص گروہ کے الگ ہونے کے رُجحان کو علیحدگی پسندی کہا جاتا ہے۔ علیحدگی پسندی کی ترکیب اُردو میں مدت سے مستعمل ہے۔ کسی جماعت، تنظیم یا ادارے وغیرہ سے کسی فرد یا افراد کے الگ ہو جانے کو علیحدگی اختیار کرنا کہا جاتا ہے۔ میاں بیوی اگر کسی جھگڑے وغیرہ کی وجہ سے ایک گھر میں نہ رہتے ہوں تو اس صورت کو بھی میاں بیوی میں علیحدگی کہا جاتا ہے۔ عربی ''موجوُد'' سے ''موجودگی'' بنایا گیا۔ اُردو میں ''موجودگی'' کے ساتھ ''عدم موجودگی'' اور ''غیر موجودگی'' کی تراکیب بھی رائج ہیں۔ ''طُرفہ'' سے ''طُرفگی''، ''عقیدہ'' سے ''عقیدگی'' (بدعقیدگی یا بے عقیدگی، خوش عقیدگی) ''عمدہ'' سے ''عمدگی''، ''نغمہ'' سے ''نغمگی''، ''مشاطہ'' سے ''مشاطگی'' وغیرہ الفاظ اُردو میں عرصۂ دراز سے ہر علمی سطح اور شعبۂ زندگی کے مختلف طبقات کی تحریر و تقریر کا حصہ ہیں۔ عام طور پر اس طرف دھیان ہی نہیں جاتا کہ یہ الفاظ زبان کے قواعد کے لحاظ سے غلط ہیں۔ لفظ ''مشاطگی'' فارسی شعرا کے ہاں صدیوں سے رائج ہے۔

چہرۂ خورشید و آں گہ حاجتِ مشّاطگی
مرکبِ جمشید و آں گہ حاجتِ برگستواں (خاقانی)

عربی لفظ ''رضا'' سے ''مرضی'' اور پھر ''نا'' کے سابقہ سے ساتھ لفظ ''ناراض'' اسمِ فاعل کے طور پر وضع کیا گیا ہے جو اصولاً درست نہیں۔ پھر اسی سے ''ناراضی'' اور ''ناراضگی'' دو اسم کیفیت بنا لیے گئے ہیں۔ اہلِ علم میں کبھی کبھی یہ بحث ہوتی ہے کہ ''ناراضی'' یا ''ناراضگی'' میں سے درست کیا ہے اور غلط کیا؟ راقم کے نزدیک اصولاً دونوں غلط ہیں۔ مثلاً اگر ''نا'' کے سابقے سے نفی کی ترکیب بنتی ہے تو ''نا'' ہٹانے سے مثبت الفاظ ''راضی'' اور ''راضگی'' ہونے چاہئیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ ''راضی'' اسمِ کیفیت کی بجائے اسمِ فاعل ہے اور ''راضگی'' سرے سے موجود ہی نہیں۔ مثبت معنوں میں اسمِ کیفیت ''رضا'' اور

''مرضی'' ہیں۔(راقم ذاتی طور پر''ناراضی'' کی بجائے''ناراضگی'' سے زیادہ مانوس ہے) اصولاً یوں ہونا چاہیے کہ''فلاں شخص راضی ہے اور فلاں ناراضی ہے''۔لیکن''راضی'' اسم فاعل کے متضاد کے طور پر''ناراضی'' اسمِ فاعل کی بجائے اسم کیفیت بن جاتا ہے۔حوصلہ،شعلہ اور فوت سے بالترتیب حوصلگی (مثلاً کم حوصلگی،بلند حوصلگی)شعلگی اور فوتگی اسمائے کیفیت بنائے گئے ہیں جو پڑھے لکھے افراد کی تحریر وتقریر میں بھی بہت زیادہ نہ سہی لیکن استعمال ضرور ہوتے ہیں۔''وفات'' اسمِ کیفیت ہونے کے باوجود''فوتگی'' بھی رائج ہے۔عربی لفظ''حیرت'' کو فارسی میں''حیرانی'' بنالیا گیا جو اُردو میں بھی مستعمل ہے۔اب بعض مصنفین کی تحریروں میں''حیرانگی'' بھی استعمال ہو رہا ہے۔حیرانگی ہے۔

''ضبطگی'' بھی کبھی کبھی اخبارات میں نظر آتا ہے جو صحیح لفظ''ضبطی'' کی بجائے استعمال کیا جاتا ہے۔''محتاجگی'' بھی غلط طور پر''محتاجی'' کی جگہ سنا گیا ہے۔میں نے جب پہلے پہل اُردو ادب میں ڈاکٹریٹ کرنے والی ریڈیو پروگرام کی اہلِ زبان خاتون پیش کار کے منہ سے یہ لفظ سنا تو تعجب ہوا لیکن سوچا کہ شاید بولنے والی کی زبان سے تیزی میں نادانستہ طور پر محتاجی کی بجائے پھسل کر محتاجگی نکل گیا ہوگا۔میں ابھی اسی حیرت میں ہی تھا کہ ایک اہلِ زبان،اُردو ادیبوں کے گھرانے سے تعلق رکھنے والی اور ادب میں خود بھی تحقیقی سند کی دعوے دار کی زبان سے یہ لفظ کیسے نکلا ہوگا کہ انھوں نے چند منٹ کے بعد پھر یہی لفظ دو تین مرتبہ استعمال کیا۔پڑتال کے لئے لغت کی چند کتابوں کو کھنگالا تو یہ لفظ موجود نہیں تھا لیکن عصرِ حاضر کے چراغِ الہ دین یعنی انٹرنیٹ پر دیکھا تو وہاں یہ لفظ اپنے اولین استعمال کی سند اور سالِ تحریر کے ساتھ موجود تھا۔یہ درست ہے کہ کسی سنجیدہ تحقیقی کام کے سلسلے میں انٹرنیٹ کی معلومات سند کا درجہ نہیں رکھتیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ فی زمانہ یہ آسان اور تیز ترین ذریعہ ہے۔اس میں اکثر حل طلب مسائل پر مختلف اہلِ علم کے تفصیلی مباحث موجود ہوتے ہیں۔معاشرے کے عام افراد کی ان تک آسان رسائی کی وجہ سے اب یہی ذریعہ اعتبار اور وقار حاصل کر رہا ہے۔زیرِ بحث الفاظ میں سے اکثر کے تحریری حوالے مصنفین،کتب،مضامین،دستاویزات اور سالِ اشاعت وغیرہ کے ساتھ انٹرنیٹ کی لغات میں موجود ہیں۔''حوالگی'' یعنی سپردگی یا حوالے کرنے کے معنوں میں رائج ہو چکا ہے جسے شاید جلد ہی قبولِ عام کی سند مل جائے گی اور یہ غلط العام ہو جائے گا۔

اوپر بیان کیے گئے عربی الفاظ کے فارسی قاعدے کے مطابق اسمائے کیفیت کا ذکر ہے جو غلط العام یا غلط العوام ہیں۔ستم یہ کہ فارسی لفظ''درست'' کے اسمِ کیفیت''درستی'' کو بھی بگاڑ کر''درستگی'' کر دیا گیا ہے اور یہ کم پڑھے لکھوں سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی تحریر و تقریر میں آتا ہے۔کون استاد اب لفظ''درستگی'' کی درستی کرے گا؟اسی طرح چند دوسرے فارسی اسمائے کیفیت مثلاً بیداری،بیزاری اور تیزی کو بھی بیدارگی،بیزارگی اور تیزگی بنا لیا گیا ہے۔''ہراس'' کو بھی اب عام طور''ہراسگی'' بولا اور لکھا جاتا ہے۔اگرچہ فی الوقت یہ الفاظ کم پڑھے لکھے لوگوں کے استعمال میں ہیں لیکن سماجی ذرائع ابلاغ میں غلط الفاظ کا استعمال خرگوش کی نسل کی سی تیزی سے پھیلتا ہے۔اسے کون روکے گا؟اخبارات میں اجرا سے اجرائی اور پھر اجرائیگی،عطا سے عطائی اور عطائیگی،سلیقگی (سلیقہ مندی)،حراستگی (حراست)،مشہورگی (شہرت، مشہوری)،ویرانگی (ویرانی) اور بے ضابطگی جیسے الفاظ عام استعمال ہوتے ہیں۔فیروز اللغات (اردو) میں''چوڑائیگی'' بمعنی چوڑائی یا عرض کو بھی قدیم اور متروک لفظ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔شبلی نعمانی کی کتاب''الفاروق'' میں''اعجوبگی'' بھی موجود ہے۔''جملگی'' (تکمیل،مکمل)،آزادگی (آزادی)

ایک سوال۔''خفا'' اور''خفگی'' دونوں فارسی الفاظ ہیں اور کم وبیش ایک ہی معنوں میں مستعمل ہیں۔بناوٹ کے لحاظ سے ان کا آپس میں کیا کوئی تعلق ہے؟ اگر ہے تو کیا قاعدے کی رو سے یہ درست ہے یا غلط؟ راقم کی چھٹی حس کے مطابق چند اور اسمائے کیفیت بھی ہیں جنھیں مذکورہ بالا فہرست کے اصولِ بے اصولی کے تحت مستقبل قریب میں بگاڑ دیا جائے گا۔فی الحال انھیں خوفِ فسادِ نطق سے ناگفتہ رکھنے میں ہی مصلحت ہے۔ (۲۴/مارچ ۲۰۲۰ء)

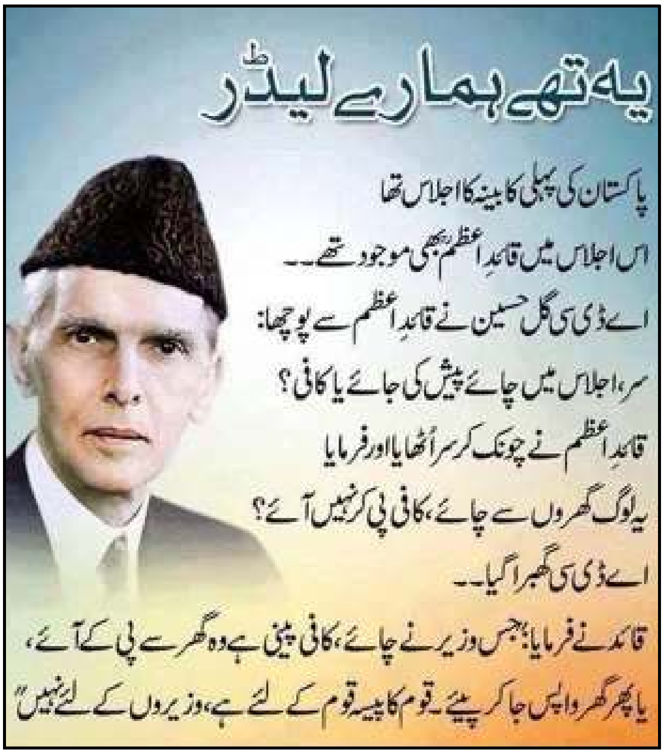

Concept 2 Print

DIGITAL LITHO

A Complete Design & Print Service

CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH

- Business Cards
- Folders
- Booklets
- Books
- Wedding Cards
- Letterheads
- NCR Pads
- Calendars
- Flyers
- Greeting Cards
- Compliment Slips
- Brochures
- Posters
- Pull up Banners
- Invitation Cards

Tel: 0203 603 7582

e:info@concept2print.co.uk

106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT

WWW.concept2print.co.uk

K.P Groups ensures that you get the best possible service

*- Free Valuations

*- Property Acquisitions

*-Property Management

*- Rent Guarantee Scheme 1-5 Years

K.P. Group (Krishna Director)

101 Bensham Lane, Thorton Heath CR77 EU

www.kpgroups.co.uk,

EmailL:krishna@kpgroups.co.uk

Tel No. 02081276230,Mob. 07895560006

NLA

NLA Tenant Check

PRS

ico.

K.P Group is a trading name of
UK. property Consultancy Services Limited is a
company registered in England & Wales under
company Registration Number 6302235

H@T

IT SERVICES

Hardware • Application • Technology

HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.

- Laptop Repairs
- Computer Repairs
- Virus / Malware Removal
- Data Recovery
- System Optimization
- Home / Office Networking
- Server Installation
- Infrastructure & Networking
- Web & Application Development
- Sales & Purchase
- CCTV Installation & Maintenance

T: 0203 524 7530

www.hatservices.com

106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

Dua آئی ٹی سلوشن

IT Solution

شعراء و ادباء اور ادبی تنظیموں کے لیے خصوصی پیکج

مشاعروں، دیگر علمی ادبی تقاریب کی ویڈیوز کی ایڈیٹنگ   یوٹیوب، فیس بک ویڈیوز

آپکی شاعری کی ویڈیوز خوبصورت انداز سے بنوائیں

ویڈیو ماٹنگ، ویڈیو مکسنگ   ویڈیو ایڈیٹنگ   لوگو، کمپنی لوگو

علمی ادبی کتب کے سرورق   ترجمہ کی اردو انگریزی کتابت

ترجمہ کی اردو انگریزی پروف ریڈنگ   بروشرز، فلائرز، دعوت نامے

مذہبی، سیاسی، سماجی، اخلاقی سوشل میڈیا پوسٹ

ویڈنگ کارڈز، مینیو   کاروباری پروفیشنل ویڈیوز   لیٹر پیڈز، لیٹر ہیڈ

اس کے علاوہ بھی کچھ جو آپ چاہتے ہیں

برائے رابطہ: 00971-552706192

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

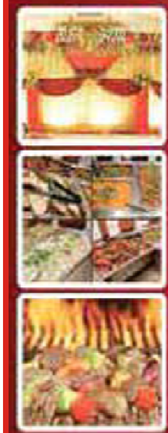

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU
ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1951

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

HEATING LTD.
24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دی براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB، نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)